

McGill University Library



3 102 872 793 W

MG.7
H

Gaylord

SHELF BINDER

Syracuse, N. Y.

Stockton, Calif.

MG7

.H172d

INSTITUTE 1945

OF
ISLAMIC
STUDIES

7225

*

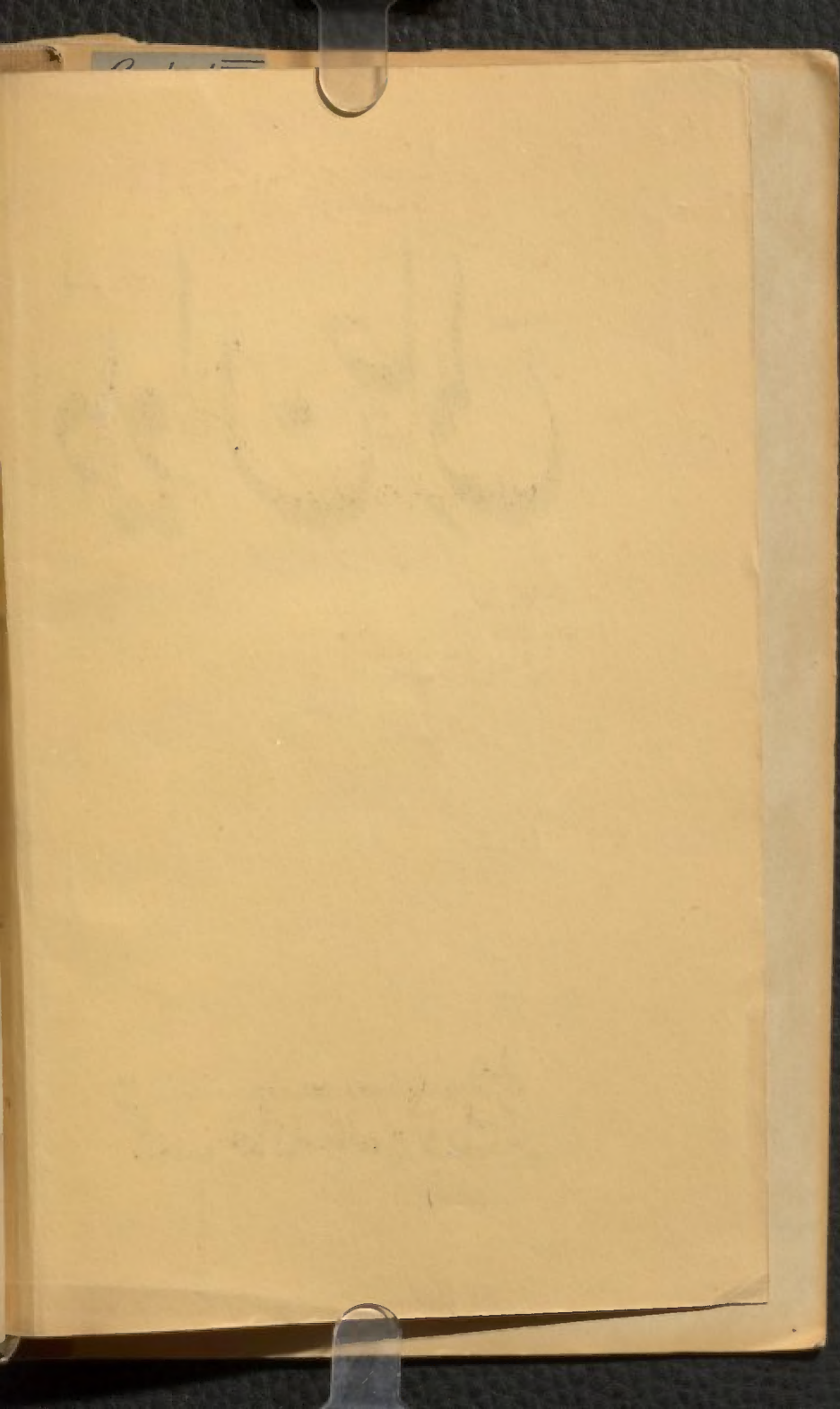
McGILL

UNIVERSITY

ch
68

دیوانِ حاج

کتب خانہ علم و ادب ^{ہلے}



دُرِّمَع الدَّهْرُ كَيْفَ دَارَ

جس رخ زمانہ پھرے اسی رخ پھر جاؤ

Divān-i Hāli

دیوانِ حالی

مصنف

Hāli, Altaf Husayn

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی

جس میں

قطعات، غزلیات، قصیدے، مرثیے، ترکیب بند، رباعیاں

اور متفرق اشعار شامل ہیں

کُتُب خانہ علم و ادب دہلی

ناشر

مطبع علمی دہلی

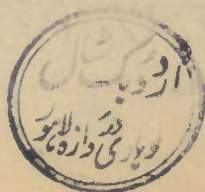
MG7

H172d

1945

۱۹۳۵ء

قیمت ۴۰



بسم اللہ الرحمن الرحیم

17.2.66

دیباچہ

کہ کذب افترا ہے کچھ کہ بھائی یہ ہے بغاوت اپنی اور یہ ہی و فرایا
ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا عشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور
یسا سمجھنا کچھ بے وجہ نہ تھا۔ اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس جوش اور
لولہ سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے
و شعر کی ذات میں جو ایک آتش گیر مادہ ہے وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں
آگ کی اشتعال کا محتاج ہے۔ پھر قوم کا کلام بھی جہاں تک دیکھا گیا خیال
نہایت کڑوا تھا۔ بایں ہمہ حدیث سن یہ کہ اجازت دیتی تھی کہ شاہد و غنائے سخن کا
اور ایک پیر زل کی صورت میں کیا جائے اور شراب اور خونی کی جگہ سوسہ کہ
نیک سے ضیافت طبع کی جائے۔ غرض کہ ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشق
کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔ بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی۔ اس پر
کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سوز اچھلا نکلیں
ب اور اسی شاعر عام پر پڑیے جس پر رہ گیر دل کا تانا بندا ہوا تھا قافلہ کا

م سے یہاں اس کے متبادلتا یعنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں

ساتھ۔ راہ کی ہمواری اور رہ گزری کی فضا چھوڑ کر دوسرا سستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتابِ عمر نے پٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا وہ تمام سیمیا کی جلوے جو خوابِ غفلت میں حقائق سے زیادہ دل فریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کا فور ہونے لگے۔ غزل و تشبیب کی اُننگ انفعال کے ساتھ بدل گئی۔ اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھایا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب دیا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

يقولون هل قبل الثلثين ملعب فقلت وهل بعدا لثلثين ملعب
جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں مٹنے کو لگا۔ پھر ذرا مشکل سے چھوٹا ہے۔ مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دل فریب مگر نکستی باتوں پر آفریں سننے سے دل شکن مگر کام کی باتوں پر نفیس سنی بہتر ہے اور حاکمِ وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ بیل کی قسمت کو تو بہت روپکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں۔

یکرہ بحالِ خویش ہم آخر تو اں گرست
کچھ نظیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پسند کیس اور بعضوں نے ناپسند مگر چوٹ رب کے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی، اور باتیں اور پری تعیں گرستے کی جو نظیں کسی قدر طولانی تھیں وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر لے یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہو دلعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سوئیں نے اُن سے کہا

کیا نہ دلعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟ ۱۲

لے بے م اں بمعنی ظلالِ شخص - ۱۲

کچھ بچے کچھ متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں۔ جن میں سے کسی قدر قطعہ درباری کے لباس میں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان کے سوا چند ترکیب بست ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں۔ جن میں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقت شائع ہو چکی ہیں لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر ہلک کی نذر نہیں ہوئیں۔ پہلا کلام جو عالم ہل دنا دانی یا خلاصہ زندگانی کی نشانی ہے وہ بھی کسی دست در تلف ہو جانے کے بعد جس قدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقضیٰ ہے کہ جو کام اُس کی تھوڑی یا بہت کوشش سے سہرا انجام ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اس کو بڑے خزانے کے ساتھ ہلک میں پیش کرنے کی جرات کرتا ہے اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد دیتا ہے جس خزانے کے ساتھ کہ وہ اعزاجی جس نے کبھی آب شیریں کا مزہ نہ چکھا تھا ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر ہاروں رشید کے دریا میں بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اس خزانے کے کچھ کم نہ تھا جو کلیں امریکہ دریافت کر کے ازبلا کے دربار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔

۱۔ یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہاروں رشید کے زمانہ میں ایک بددی جس نے کبھی دجلہ کے شیریں پانی کا مزہ نہ چکھا تھا۔ اُس کو صحرائیں ایک چشمہ ملا جس کا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبتاً نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شور پانی کہ وہ بددی ہمیشہ پیا کرتا تھا اس سے کسی قدر میٹھا تھا۔ وہ خوشی خوشی اس کی ایک مشک بھر کر بغداد پہنچا اور خلیفہ کے دربار میں اُس کو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اُس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اس کی بد مزگی بدوی پر ظاہر نہیں ہونے دی اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا اور حکم دیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے اور نہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

پس یہ تمام مجموعہ جس میں کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہیں محض ایک لمبے
 موبہم پر کہ دیکھیے مردود ہو یا مقبول ملک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور پہلے
 اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنے دعووں پر آپ ہنسنے ہیں۔

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات
 کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے اور یہی کہ امید کی جاتی ہے ان خیالات کو سچی شاعری کا ایک
 نمونہ تصور کیا جائے مگر یہ بات کہ جیسے خیالات کا فوں کو سچے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے سچے
 دل سے بھی نکلتے ہیں یا نہیں خود ہم کو بھی معلوم نہیں۔ تاہم نگراں چہ رسد۔ جیسا کہ محض
 سچے خوش اور دلورہ سے ہوتا ہے۔ ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اس سے بہتر محض شہرت اور
 نام درمی کی خواہش۔ تحسین و آفرین کے لالچ۔ جلب منفعت کی توقع یا کم سے کم اپنا دل
 خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور خود کرنے والے کو اپنے کام کا منشاء
 معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگرچہ ہم اس وقت نہ ہوں گے مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ
 اور پانی کو الگ کیے بغیر نہ رہیگا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا اور جھوٹ برسات کے سبزہ
 کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائیگا۔

وَلَوْ كُنَّا رَأَيْنَا مِنْ خُرُوجِ كَثِيرَةٍ كَمَوْتٍ - اِذَا الْمَوْجِئِينَ اَصُولٌ

ناظرین کو معلوم رہے کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلے ہیں تو خیالات
 کے ساتھ طرز بیان میں بدلتی۔ نگارشی کی رفتار میں فرق آ جاتا ہے۔ مگر پتا اور دھڑا پتہ
 باقی رہتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دینے تھے مگر اسلوب
 لہ ہم نے وہ شائیں اکثر سوکھتی دیکھی ہیں جن کی جڑیں اس قابل نہیں کہ اپنی شاخوں کو سرسبز
 رکھ سکیں۔

بیان میں مطلق فرق نہیں آیا۔ تشبیہیں اور استعارے پہلے طرح - ہجا - غزل اور شیبہ میں برتے جاتے تھے۔ وہی اب توحید مناجات اخلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے۔ خاص کر شعر میں اس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں گے مگر ان کے طریقہ بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے جس طرح کسی غیر ملک میں سنے دار دہونے والے نیاح کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ملک میں روشناس ہونے اور اہل ملک کے دل میں جگہ کرنے کے لئے اسی ملک کی زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع صورت اور لباس کی اہمیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کر دے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرز بیان میں قدما کی طرز بیان سے بہت دور نہ چلائے اور جہاں تک ممکن ہو اپنے خیالات کو انھیں پیرویوں میں ادا کرے جن سے لوگوں کے کان مانوس ہوں اور قدما کا دل سے شکر گزار ہو جو اس کے لینے ایسے بھگتے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہیں کہ اس مجبوعہ کو اور نیز ان نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں کیا کہ یہ خیال پیدا ہوا کہ ان میں نئی بات کوئی ہے؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گزرے ہوں اور نہ طرز بیان ہی میں کوئی ہمتا ہے جس سے کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں اور یہ سمجھ کر وہ بے اختیار پکار اٹھیں کہ ”هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا قَبْلَ“ لے قرآن مجید میں نہ کہ رہے کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پہل کھانے کو دیا جائیگا تو وہ کہیں گے ”هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا قَبْلَ“ یعنی یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا، کیونکہ جنت کے میوے صورت میں یکساں معلوم ہوں گے۔ مگر ہر ایک کا مزہ اور لذت جدا ہوگی۔ ۱۲۔

پس ان کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بیشک طرزِ ادا میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت کم فرق پائیں گے۔ مگر خیالات میں ذرا بھی خود فرمائیں گے تو ان کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا وہ دیکھیں گے کہ محل نہیں بدلے مگر محلِ نشین بدل گئے ہیں۔ اور گویا بے وہی ہیں مگر شراب اور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہیں ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گزریں ہوں یا کسی کے ذہن کی ان تک رسائی نہ ہو سکے بلکہ ایسے خیالات مراد ہیں جو شاعر و نا شاعر کے دل میں ہمیشہ گزرتے ہیں اور ہر وقت اُن کے پیشِ نظر ہیں مگر اس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور مبتذل ہیں اُن کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور اُن کی طرف بہت کم التفات کیا گیا اور پایہ شاعری کو اُن سے دور اور اونچا سمجھا گیا ہے لیکن فی الحقیقت شاعری کا بھید انھیں مبتذل خیالات میں چھپا ہوا تھا جو یہ سبب غایت ظہور کے لوگوں کی نظر سے مخفی تھا۔

یہ۔ اے بھلے ذرا اُٹھیں کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آئے ہیں کانٹے میں بھی اگشان ہو انسان میں جیسا کہ ظاہر ہے ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو عدمِ محض سے وجود میں لاسکے۔ اس کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ وہ موجودات میں سے چند چیزیں وں کو ترکیب دے کر اُس میں ایک نئی صورت پیدا کر دے پس جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں اینٹ مٹی اور چوڑے کا باہر بھی ایک تخت کے بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہے۔ اسی طرح ضرور ہے کہ شاعر بھی کسی شعر کو ترتیب دینے میں کسی ایسے مصلح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کی طرح نفسِ الامر میں موجود ہو۔ وہ مصلح کیا ہو؟ یہی دنیا کے حالات جو روزِ مرہ ہمارے آنکھوں کے سامنے گزرتے ہیں۔ خواہ وہ انسان

سے علاقہ رکھتے ہوں یا زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار چیزوں سے یا ٹھہر کر ٹی اور ٹھنکے جیسی بے حقیقت چیزوں سے پس شاعر نے ان حالات کو معمولی باتیں سمجھ کر چھوڑ دیا اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اس کی مثال اس معاد کی سی ہوگی جو عمارت بنانے کے لئے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہے جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی۔

ترسم نہ زسی بہ کعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو میری بہ ترکان است
العرض جب سے شاعری کی کٹھنی معمولی شکر چھوڑ کر عفا کی گھات میں
بیٹھنا اور زمین پر ساگ پات کے ہوئے آسمان سے نزولِ ماندہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا
زمانہ کے حالات کو دیکھ کر جو کیفیتیں نفس پر طاری ہوتی رہیں اور جن واقعات کے
سننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی اُن کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا
لباس پہناتے رہے بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اتوال سلف یا حکایات
سلف سے اخذ کیے گئے کہیں اُن کو اپنے حال پر رہنے دیا اور کہیں اپنی طرف
سے کچھ اضافہ کر کے اُس کو ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا بعض قطعات رباعیات
میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کیے گئے۔ جو شاید کہیں کہیں مطاہرہ کی حد کو پہنچ گئے
ہوں۔ مگر انوری و سعدی و شافعی کے مطاہرات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم
ہوں گے۔ ریا و مکرو و سالوس و عجب خود پسندی اور اسی قسم کے اخلاق و اعظ ذراہٹ
صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے نہ اس لیے کہ لغو و بامعنی اس فرقہ علیہ کی مذمت
مقصود تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ان اخلاق کے بیان کرنے کا اس سے واضح تر کوئی عنوان
نہ تھا۔ سیاہی کا دھبہ جیسا اُبلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے۔ ایسا میلے کپڑے پر

ہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں۔ مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح ریا و عجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرد بشر میں کم و بیش پائی جاتی ہے مگر جب اس کو علم و ذہد و مشیت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراؤنی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہے۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اس کو یہ ضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ہم کو بھی کہیں کہیں ناصح بننا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بڑا فرق ہے۔ اصلی ناصح خود پر اپنا سے پاک ہو کر اوروں کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چوں کہ پرائیوں کی ہو ہو تصویر کشی کر دکھاتا ہے اور گھر کے بھیدی کی طرح چھپے رستموں کے پتر سے کھولتا ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اوروں پر دھڑکھڑاتا کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں موجود ہے پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی پتے کی بات شاعر کے قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے نفس ہی کی چوریاں ظاہر کر رہا ہے۔

ہیں عاشقی کی گھائیں معلوم اس کو ساری حالی سے بدگمانی بے جا نہیں ہماری شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اس میں فطرت انسانی کے دقائق و خواص سمجھنے کا ایک خدا داد ملکہ ہوتا ہے جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھیڑ نہ پڑی ہو وہ

برہمچریوں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے برہمچاریوں اور پارہ ساروں کے حلقے سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ رند و بادشاہ کی صحبتوں کا ایسا چربا اُتار دیتا ہے کہ گویا انھیں میں سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے ابو نو اس نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع کی تفسیر میں ایسے واقعات بیان کر دیے ہیں کہ خلیفہ متعجب ہو کر بے ساختہ یہ کہہ اٹھا تھا۔ **خَالِقُكَ اللهُ كَذَلِكَ**۔ ثالثنا شکسیر جس کے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تاشا کرنے والے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھول کر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی اس نے سیکسٹ، جولیت، کیٹھرائن، ڈزیمونا اور بعض لیڈیوں کے ایسے اہلی کیریکٹر دکھائے ہیں جن کا اس سوسائٹی پر جس میں اس کی عمر گزری تھی کبھی پرچھاواں تک نہ پڑا تھا۔ ایران میں فردوسی اور ہندوستان میں اُمیر رزم کے بیان میں صد ہا باتیں ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گزرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برأت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اس کو واعظ و ناصح کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہے یہ خلاف شاعر کے کہ اس کا اہل مقصود فطرت انسانی کی گوید اور واقعات دہرے متاثر ہو کر دل کی بھڑاس نکالنی ہے اور بس وہ کسی کے سمجھانے کے لیے ملے ترجمہ خدا جیسا کہ تیسرا ہم میں تو تھا یعنی تو نے ایسے صحیح واقعات بیان کئے ہیں کہ گویا تو بھی ہماری صحبت میں شریک تھا۔ ۱۲

نہیں چلاتا بلکہ خود کچھ سمجھ کر حج اٹھتا ہے۔

ناصح شفیق ہیں یاروں کے نہ بھلے اور بشیر
درد مند ان کے نہ اُن کے درد کے دریا ہیں ہم
پھوٹ پڑتے ہیں تراشا اس چمن کا دیکھ کر
نالہ بے اختیار لبِ لبسِ نالاں ہیں ہم
پس اگر شاعر کا کوئی قول اس کے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اس کو نہ عطا
یا ناصح قرار دے کہ یہ الزام دینا نہیں چاہیے کہ ”اَقَامَرُونَ النَّاسَ بِالْبُرُوقِ وَتَسْتَوْنَ
اَنْفُسُكُمْ“ بلکہ اس کی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیے کہ ”اِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَالًا
يَفْعَلُونَ“

انسان کے کلام میں کہیں کہیں اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات
ہے بلکہ اُس کے کلام کی پہچان ہی یہ بتانی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ”لَوْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا“ مگر جس طرح ایک فلسفی
یا مورخ کی تصنیف میں اختلاف پایا جاتا اُس تصنیف کو عیب لگاتا ہے اس طرح شاعر
کے کلام کو عیب نہیں لگاتا۔ بلکہ اُس کا بے ساختہ پن ظاہر کرتا ہے جس کو شاعری
کا زیور سمجھنا چاہیے فلسفی یا مورخ ہر ایک چیز پر اُس کے تمام پہلو دیکھ کر ایک مستقل رائے
قائم کرتا ہے اور اس لیے ضرور ہے کہ اس کا بیان جامع و مانع ہو لیکن شاعر کا یہ کام
نہیں ہے۔ بلکہ اس کا یہ کام ہے کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے
اور اس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہو کر اُس کے ذہن کو بے چین کر دے اس کو اسی
طرح بیان کرے پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے
خلاف ہو اُس کو اس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ
کی کتاب نہیں لکھتا تا کہ اُس کو حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو پر نظر رکھنی پڑے

بلکہ جس طرح ایک فوٹو گراف ایک ہی عمارت کی کبھی روکار کا کبھی بھیت کا کبھی اس
 ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جدا جدا نقشہ اُتارتا ہے۔ اسی طرح شاعر حقائق و واقعات
 کے ہر ایک پہلو کو جدا جدا رنگ میں بیان کرتا ہے پس ممکن ہے کہ شاعر ایک ہی چیز
 کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہے کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے
 اور بُری چیز کی تعریف۔ کیوں کہ خیر محض کے سوا ہر خیر میں شر کا پہلو اور شر
 محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہے عقل۔ علم۔ زہد۔ دولت۔ عزت اور آبرو
 عموماً مدوح و مقبول سمجھی جاتی ہے۔ مگر شعرا نے اُن کی جا بجا مذمت کی ہے۔ اسی طرح
 دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و دود گنی جاتی ہیں۔
 لیکن شعرا ان کے مداح رہے ہیں۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری
 حیثیت سے اس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ میں اس لیے کہ وہ
 اُستاد اور مجدد بن گئے اپنے تئیں نا پھر و بے حقیقت بتاتا ہے اور کبھی اس لیے
 کہ اُس نے اُن کی دولت میں کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہے جو اُن کے پاس
 نہ تھی اپنے تئیں اُن پر ترجیح دیتا ہے یہ کبھی دنیا کی اس لیے تحقیر کرتا ہے کہ وہ
 دانا غرور و دارالمن ہے اور کبھی اُس کی بُرائی و عظمت اس لیے بیان کرتا ہے کہ
 وہ ضرر و عذارت ہے وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اس کی خوبیوں کے سبب سے
 ستائش کرتا ہے اور کبھی اس کی ناگواری کا روایتوں کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی
 ان حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا۔ جن پر اس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب
 ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہے۔ وہ ایک

نادان بچے کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا۔ پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ توڑ باتیں دیکھ کر متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا دل اُن کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ میں نہ ہو اُن کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے۔

بہ زیہ شاخ گل افی گزیدہ بلیل را نو اگر ان نخورہ گزیدہ را چہ خبر
یہ چند اصول جو او پر بیان کیے گئے اُن سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کرنی مقصود ہے۔ کیوں کہ جس طرح قواریہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اچھلتا ہے اس طرح نکتہ چینوں کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے دوسرے نکتہ چینوں سے کان اس قدر مانوس ہو گئے ہیں کہ جس طرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا۔ اسی طرح مصنف نکتہ چینوں کے شور و غل کی پڑاوا نہیں کرتے۔ پس ان کی زبان بند کرنے کی نہ طاقت ہے نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی تقضی تھی کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں بتا دی جائیں۔ ظاہر ہے کہ سولیزیشن جس کو شعرو شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے اُس کا پر چھاواں اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جس کو مدرسہ میں لے جانے کی اجازت نہ تھی اُس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتیلے بوق بوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعرا کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں جیسے شعرا اُن کے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُن پر شعرا تنابھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر عہدی خوان کی آواز اثر کرتی ہے یہ اشارہ ہے اُس مشہور مقولہ کی طرح کہ ”شعر مرا بہ مدرسہ مبر“

ہے۔ غرض کہ شاعرانہ مذاق یونانیوں کا ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اور ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہونے والا ہے۔ نہ پُرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دیوان شائع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول ایسے بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شائع کرنی۔ اسی لیے مقدمہ میں مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں لیکن اگر غور کیجئے تو ان میں سے کوئی پتہ نہ ملے ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار اس سے شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

”انچہ مادرکار داریم اکثرے درکار نیست“

مگر مہر السموات والارض نے اس حسد راہ آباد نمائی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یہاں کے گورکھ دھندوں میں اُبٹے رہیں۔ دھوکہ کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ کہ کڑی عمر بھر اپنے بوسے اور کم زور جالے کو پورے میں سرگرم رہتی ہے اُسی کوشش و جان فشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور باہر ہوا عمارتیں چٹنے رہیں یہاں تک کہ فنا ہو جائیں۔

درکار خانہ کہ بنائش یہ غفلت مست

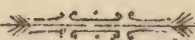
ہشیا ندرستین نہ ز قانون حکمت مست

نَزُوحٌ وَنَعْدٌ وَلِحَاجَاتِنَا وَحَاجَةٌ مِّنْ عَاشٍ لَا تَنْقُصُ

وَيَسْلُبُهُ الْمَوْتُ أَثْوَابَهُ وَيَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهُ

لَمَوْتُ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ وَبَقِيَ لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِيَ

۱۔ ترجمہ۔ ہم اپنے کاموں میں صبح شام سرگرم ہیں اور جو شخص زندہ ہے اُس کا کام ختم نہیں ہو سکتا۔ موت ہی اُس کے کپڑے اُتر دیتی اور موت ہی اُس کی خواہشوں کا خاتمہ کرے گی۔ انسان کی خواہشیں اس کے ساتھ ہی مریں گی۔ جب تک وہ زندہ ہے کوئی نہ کوئی خواہش اُس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔



قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط ایک دانائے
دیکھ لیوان میں جتنے ہیں خط
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے
ایک نے جتنے خط تھے برے
جب نہ رہا وہاں پیش نظر
دیکھا تھا اٹھا کر آنکھ جبر
کل کی ہے یاروبات کہ تھی
قوم میں جیسا حال ہے اب
تھے موجود ادیبوں میں
مستثنیوں میں ایسے تھے بہت
شعریں تھے استاد اکثر
لے گئی اُن کو آحسب کار
اہل مہندر کا نام و نشان

کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
دے دیوہی چھوٹے خط کو بڑھا
اٹھ کے دیا ایک راک کو مٹا
خط کوئی چھوٹے خط کے بسوا
تھا دی چھوٹا وہ ہی بڑا
قوم میں باقی حسان ذرا
آدمیوں کا کمال نہ تھا
اُختل و اعشی کے ہوتا
جن پہ کہ نازاں تھی انشا
سحر بیان اور نکتہ مرل
حسرت فانی کی موج بہا
قوم میں جب باقی نہ رہا

صاحب دیوان نام خدا
یا میں سمجھو تم یکسا
کَبَرْنَا مَوْتَ الْكَبَرَا

حالی و زید و عمر بنے
ابا چاہو۔ استاد گنو
ہم ہیں یہی ناچیز مگر

شعری طرف خطاب

پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
تسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
آپے کو دیکھ ادر کر اپنے پہ ناز تو
دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کیجھو ساز تو
جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
معدہ رجان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
ادب ابھی نہ کر علم امتیا ز تو
کر چاہتا ہے خضر کی علم دراز تو
محو و جان آپ کو گر ہے ایاز تو
اب راد کے نہ دیکھ نثیب و فراز تو
بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو

لے شعر دل فریب نہ ہو تو، تو غم نہیں
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
جو ہر سہ راستی کا اگر تیری ذات میں
حسن اپنا گر دکھائیں سکنا جہان کو
تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز
وہ دن گئے کہ بصیرت تھا ایمان شاعری
ابن نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
ناک اوپری دوا سے تری برقعہ صائیں گن
چھپاپ اپنے بچ سے بیکے جا دیں گھر
ہونا بند ہیں اُن کو بتا جو رہن کے راہ
عزت کا بھید ملک کی قدرت میں ہو چھا
لے شعر راد راست پہ تو جب کہ نرلیا
کرنی ہے فتح کرنی دنیا تو بے نکل

ہوتی ہے سچ کی قدر یہ بقدریوں کے
جو قدر داں ہوا اپنا اسے مغنت سمجھ
اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو
حالی کو سمجھ یہ ناز ہے کہ اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عندہ

ہوئی رلیانِ بے انی کی بہارِ آخر حیف
اپنی رو داد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیا
اب کہ اُلفت ہی نہ جاہستہ جوانی نہ اُمتنگ
گر غزل لکھے تو کیا لکھے غزل میں آخر
آپ ہی نہ ہو جو وہ ہے کہانی بے لطف
ہاں مگر کچھ کچھ عشق کا غیر دں کے بیاں
کیسے بھلے بھل صنم کی کبھی منہ مٹی تصویر
تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہونہ مش
طبع زنگیں تھیں مے عشق کی جب متوالی
جو غزل لکھتے تھے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
سر ہی سودا سے تھی عشق سے دل ہر حالی
نہ ہی چیز وہ مضمون سمجھا سنے والی
گر چہ ہوں لفظ فصیح اور زیاں نکالی
لایے باغ سے اوروں کے گلے گر ڈالی
یکے دے در حبدائی کی کبھی نقشبالی
وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے نمالی
قہر چوں پیسہ شود پیشہ کہ سند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھا یا کہ علم و فضل میں
یکے تصنیف اور تالیف میں جی بیخ
دیجے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا
اور نہ ہو کر شعر و انشا کی لیاقت آپس
جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجے
اس میں ایک اپنا پسینہ اور لہو گر دیجے
اور سخن کی واد ہریر و جواں سے لیجے
مشاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجے

بے تمیزی ابنائے زماں

از رہ فراموشی سے یہ میرے نے کہا
جنس تیری کس میرس اور قدر قیمت تیری پہنچ
بے کے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا
مسکرا کر آئینہ نے یہ میرے سے کہا
مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز
میرے جو ہر گونہیں موجود اپنی ذات میں
ہے وجود لے مبتذل تیرا برابر اور عدم
میرے پائے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہونی کا غم
امتحان کے وقت کھل جاتا ہے سب تیرا بھرم
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا لے محترم
ہیں مقرر ایسے اس بازار نا پر اس میں کم
تجھ سے لے الماس لیکن اچھے پڑھتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو
خصلتیں جو امیر زادوں میں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنس کوئی
کچھ نہ تھا۔ پڑھتا تھا سب کچھ
واہ واسنتے سنتے یاروں کی
الغرض ایک روز چلا یہ
مشق تیرا لکھی میں تمام صورت
آکے دیکھا جو اک ظریف نے مال
یہ جتنے گمان سے چھوئے

تھا فدا گ لکھی کا شوق کہیں
لازمی ہیں ہ اس میں بھی سب ہیں
اس پہ تھا خود پسند اور خود ہیں
علم تیرو کماں میں اپنے تئیں
ہو گیا تھا ہنس کا اپنے یقین
جب کہ تھے ساتھ سیٹھیں و قریں
کر رہے تھے خوشامد ہی تھیں
دھڑکتیں ہوئی نہ ذہن نشیں
پائے سبب اصول و بے آئیں

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑنا تھا
ایک تانہا چوٹ کے سنے شمال
کچھ جوشوخی ظریف کو سوہ جھی
خاک تو وہ پہ جا کے ہو بیٹھا
نادک انداز بولا چلا کر
یا غما ہو کے گھر سے آیا ہے
عرض کی چارہ کیا ہی اس کے سوا
زد سے ان بے پناہ تیروں کے
جگو ہر پھر کے شش بہت میں حضور
تیر۔ آماجگہ کے کوئی قریں
ایک تانہا پھٹ کے سنے ہیں
رکھ کے بالائے طاق سب تکیں
لوگ کرتے تھے چناں و چنیں
کوئی تجھ کو جنوں ہے لے سکیں
یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جان خریں
جب کہ جائے گریہ نہ ہو نہ کہیں
کہیں جاں دار کو امان نہیں
اس کی اک جا بجا ملی ہے ہمیں

پولکل پیچیں

لے بزم سفیرانِ دول کے سخن آرا
یہ سچ ہے کہ جاویدیاں میں ترے لیکن
ظاہر ہے نہ غصہ میں بیاں سے ترے بخش
ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار
جو صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں
گر سوچے تو میکروں پہلو میں معسر کے
دل کی تے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات
نکلتا نہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیان سے
ہر فرد و وکلاں تیری نعماحت پہ ندب ہے
کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
نے لطف میں کچھ طریباں سے جدا ہے
اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
اور جنگ میں کچھ نصف سخن اس سے سوا ہے
اور سینے تو زنجیریں سے ہر قول بند عاب ہے
گو گنج نہیں گویا نہیں کیا جائے کیس ہے
اک مرغ ہو خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے

تھے لب، پلے اظہار پہ اب آکے کھلا یہ انسان کو انصاف کے لیے نطقِ بلا ہے

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نامِ نصف دے بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
جب درہ تو اٹھا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھا ایک ایک سے ازرا و شہارت
کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ مذمت
جس کو کہ خود آواز سے بھئی اپنی کراہمت
ہر بار بکتا تھا بصدِ تہی زنی و شہرت
آواز خوش آئند و یا قابلِ نفرت
ہوتا کہ یہ معلوم کہ ہے دُور سے میری

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا ”زینت و اسباب پہ جو لوگ
حالی نے کہا ”جن کو ہوا ترانے سے نفرت
اترا تے ہیں۔ اک آنکھ جھپکے وہ نہیں بھاتے
اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں
ہے مگر جہویر کے نزدیک یہ مرد و دُورِ قول
بعض کہتے ہیں کہ شہر سے تیرے سبائین ہیں
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہے اس حمت کو عام
بعض کے نزدیک حیداس کی حد نام ہے
جو ہیں قابلِ اس کے اُن پر کفر کا الزام ہے
جس سے غیر از اہلِ قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
بس مسلمانی و دین داری اسی کا نام ہے

پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عتد الخول
 ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ
 بعض کہتے ہیں شعرا و اسلامیوں کا ہر لباس
 بعض بتاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
 مذہب سے منظر رہے لیکن بیان کرنا ضرور
 اہل صلہ و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر
 کہتے ہیں اسلام جو سمجھے آست وہ عام ہے
 اور سب کا لفظ یا راغیا ر سب عام ہے
 جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
 حصر کرنا ان تمام آرا کو شکل کام ہے
 جو ہم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
 سید احمد خاں کو فرمایا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب مہینہ حج۔ قرض لے کے اک بن دار
 کہا یہ اُس سے اک آزاد دے کہ لے حضرت
 کہ قرض لے کے پہلے ہیں حضور سوائے حجاز
 نہ نان و نفقہ فرزند و زن سے خاطر جمع
 سنا یہ۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا
 وہ یا و شاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
 خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میہانوں کی
 جھین فراغت و تنگی میں ہے اسی سے امید
 وہ سن کے بولا کہ ناخواندہ میہانوں کی
 ذلیل ہوتے ہیں جو تین بلا کے جاتے ہیں
 چلا بہ نیرت حج۔ گھر سے سوئے بیت اللہ
 کیا ہے آپ پہ شارع نے حسب سیرا اکراہ
 وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
 نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
 کہ روکتا ہے مسلمان کو حج سے لے کر آہ
 لیکن خاتم و طبل و نشان و تحت و کلاہ
 پہنچے جو کہ ہیں سٹے کہ کے برد و بحر کی راہ
 جھین سلامت و آفت میں ہے اسی کی پناہ
 اُمید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ
 طفیلیوں کی نہیں و عورتوں میں عزت آباد

لے احوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اُس کو مذہب منظر کہتے ہیں ۱۲۰

لکے کے پس پھر آبرو اس سے منبرمایا
 قدم پہنچے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے
 خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر
 ناز و روزہ ہو یا ہوا طوائف و عمرہ و حج
 اسی طرح یہ دیئے معاش کے ہیں تمام
 مگر سلیقہ و تدبیر خدا ہے ورنہ
 یہ کتنے کتنے کی باتیں نہیں ہیں برخواستار
 ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
 جو ان خام کی داں تک نہیں پہنچی نگاہ
 فتوح جن میں ہے دنیا و دین کی خاطر خواہ
 حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الہ
 نہ جن میں چاہیے محنت نہ کوشش جانکاہ
 ہزاروں پھرتے ہیں علاج سادہ لوح تباہ
 وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہوا آزاد بھی نہیں
 ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
 غایت کی قدر ہوئی ہے مصیبت میں سوا
 تعریف الاشیاء بالافساد ہے قول حکیم
 سن کے راک آزاد نے یہ لاف چکے سے کہا
 قدر داں ان سے بہت بڑھکر ہیں آزادی کے ہم
 قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم
 بے نوا کو ہے زیادہ مسترد وینا و دردم
 دنگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
 ہے سقر موری کے کیرے کے لئے باغ ارم

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جا رہا ہے جب لیتا ہو نس
 یاں غلام اگر۔ کرامت ہی یہ انگلستان کی

لے لیتا جس طرح دری کے کیرے کو موری ہی میں آرام ملتا ہے اور دباں سے کہیں جانا نہیں چاہتا
 اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہی ہیں اسی میں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں۔ ۱۲۰

اس کی سرحد میں غلاموں نے جو بنی رکھا تھا
 قلب ماہیت میں انگلستان ہے گو کہ کیا
 آن کر آزاد-یاں آزاد رہ سکتا نہیں
 وہ رہے ہو کر غلام-اس کی ہوا جن کو گئی
 اور کٹ کر پانوس ایک ک کے ٹیری گر پڑی
 کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندوستان بھی

سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خاں کے ایک نکتے یہ پوچھا کہ آپ
 کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھیکراتے ہیں آپ
 آپ بھی زنا م خدا، ہیں تارک صوم و صلوٰۃ
 خود نبوت پر مئے ہیں ہم نے ایراد آپ کے
 چشمہ بدو را گیا بھی جب کہ ہے شرب سبع
 سن کے فرمایا ”اگر ہو پوچھتے انصاف سے
 سچ کچھ اس کا نہیں بلکہ وہ ایسا ہے کیوں
 کس لیے سید سے صاف لے حضرت الہ نہیں
 ثابت اسلام اس کا۔ نزدیک کے گویا نہیں
 اور سلوک سلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
 اور اہل ماہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
 پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیب نہیں
 بات یہ ہی سن لو صاحب تم سے کچھ پڑا نہیں
 بلکہ ساری کوفت ہی اس کی کہ میں یہاں نہیں“

خطِ اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیب طاری
 ”دنیا سے اٹھ گئے سب جتنے مرید صادق“
 جو تھا سو چشم پر خم۔ اپنا تھا یا پڑایا
 یہ کہنے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
 ہم نے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری
 یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اُس کو بھی رُلایا

نو کروں پر سخت گیری کر نیکا انجام

درگزرتھی اور نہ ساتھ ان سے رہتا تھی کہیں
کام سے ہمدت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئیں
ذکر کیا۔ نکمے جو پھوٹے منہ سے اُسکے آئیں
نکھے پھیلے منہ چڑھا۔ ہاتھ پہلے ابرو پہ ہیں
آکے ہو جاتے تھے فائن جو کہ ہوتے تھے ہیں
فرض جیسے نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تھیں
زہر کے پتیا تھا گھونٹ آخر بجائے انگلیں
تاکہ یہ درخواست کیجیں حاجی ہی یا نہیں
تھی کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مار آتیں
تھک گئے جینا در کرتے کرتے دست نازیں
اور گرا اسوار۔ صدریں سے ہالٹے ہیں
کی نظر سائیں کی جانب کہ ہو اگر نصیب
دیکھتا تھا اور اُس سے مس نہ ہوتا تھا نصیب

ایک آقا تھا، بیشہ نوکروں پر سخت گیر
بے مزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی ان کی معاف
حسن خدمت پر اعنانہ یا صندہ در کنار
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس پر دیا
تھی نہ جز خواہ نوکر کے لیے کوئی مستوح
رہتا تھا اک اک شرالط نامہ ہر نوکر کے پاس
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
ملک ہوتا تھا شرالط نامہ دکھلا دے تھیں
واں سوا تنخواہ کے، تھا جس کا آقا ذمہ۔
دیکھ کر کانڈ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب
ایک ن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوا
دفعہ قابو سے باہر ہو کے بھاگا را ہوا
کی بہت کوشش۔ نہ چھوٹی پانو سے لیکن روکا
تھا مگر سائیں ایسا سنگ دل اور بے وفا

دور ہی سے تھا اسے کا غم دکھا کہہ رہا
دیکھ لو سہرا اس میں شرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
گروہیت اُسے بعضوں نے دی ہو
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیڑ کو بھی
زبان اس کی نہ ہو مفہوم اس کی
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق آپ
زبانیں جکی ہو ایک اور نسل بنی آپ
نہیں جو رائے میں اپنی تذبذب
کہ جس میں حد میں مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک یا اس کے جد و اب
تو لکھوں اُس کے ہوں معبود پر

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں میدا کچھلا اک غلام
عرض کی "ایک لکڑیاں ہو جن کا ملک غیر
جو ہوا زاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
کو نہ کہ جم آدمی میں پیش اہل معرفت
اُس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت کی
اختیار اُس کی صفائی کا نہیں رکھتے راہی
مُذریلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں ہی
کوئی چیز اس کی نہیں رہے امانت گورنگی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دور نے حالی کے کہا از رو انصاف
چند اہل زبیاں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زبیاں سے
کہتے ہیں پیدا ہوں زبیاں اُس کے سخن کو
بولے کہ "ہمیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زبیاں اُس کے دہن کو

معلوم ہے عالی کا ہے جو مولد و منشا
 اردو کے دشمنی وہ ہیں دلی کے ہیں دلی
 بیل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
 عالی کی زبان گربل نہر لبین ہو
 ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نانہ
 مانا کہ ہے کہ بے ساختہ بن اسکے بیان میں
 یہ دوست نے عالی کے سنی جب کہ تعلق
 کچھ شعر تھے یاد ان کے پڑھے اور یہ پوچھا
 سچ یہ ہی کہ جب شعر ہوں سرکار کے لیے
 عالی کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے

اردو سے بھلا واسطہ؟ حضرت کا وطن کو
 پنجاب کو مس اس سے نہ پورب نہ دکن کو
 کیا عالم گلشن کی خیمہ زراغ و زغن کو
 خالص نہ ہو تو کیجئے کیا لے کے لبین کو
 پہنچے گا نہ وہ نانہ آہوئے حسن کو
 کیا پھونکے اس ساختہ بے ساختہ پن کو
 حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
 کیوں صاحبو عزت اسی اردو سے ہن کو
 کیوں آپ لگے ماننے عالی کے سخن کو
 پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیلیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں بھی یہ رسم عرب
 سنگدل باپ اسے گود سے لیکر ماں کی
 رسم اب بھی ہی دنیا میں ہے جاری لیکن
 لوگ بیٹی کے لیے دھونڈھتے ہیں جیچہ نہ
 ایسے گھر بیابا می بیٹی کو جو آسودہ
 جانے پہچانے ہوں سدھیا نے کے سارے ٹٹو
 ایک ہی شہر میں ہوں و نوں گھر لے آباد

کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیداد خیر
 گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کہ
 جو کہ اندھے ہیں پیسے کی نہیں کچھ انکو خبر
 سب سے اول اُنھیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
 اور مہر سے جو ذات میں فضول بہ
 ان کے معلوم ہوں عادات و فضائل کبیر
 دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہم دیگر

جیسے جی مرگئی بس اُن کی طرف سے گویا
چھان بین اس کی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو
بد مزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بد چلنی
وہ ہی ناشدنی ریت ہی جس کے کارن
جاہلیت میں تو بچی اک ہی آفت کہ وہاں
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی
اپنا اور بیٹیوں کا جب کہ نہ سوچیں انجام

جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا سیہ اگر
پر نہیں دیکھا یہ کوئی کہ کیسا ہو بر
کچھ بُرائی نہیں۔ ذوق نہ ہو داماد اگر
بکریاں بیٹریوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر
کاروی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
زندہ درگور سدا رہتے ہیں اور خستہ عکس
جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بد تر

سید احمد خاں کی تصانیف کی ترقید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
ردزی کی خاطر اُس نے یکے سیکر دوں جن
راہ طلب میں جب ہوئی مہر گشتی بہت
جھک کر کہا یہ کان میں اُس کے کہ آجکل
جا۔ اور لفظ لفظ کو اُس کے چھپسکر
پھر نہ کھینا کہ اس دجپ و گدہ پیش سے
دنیا طلب کو چاہیے بلکہ فریب ہو

برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
تدبیر یہ بھی اُس کی نہ تقدیر سے چلی
پر۔ کی کہیں نصیب اُس کے نہ یاوری
اک خضر پے حجتہ نے کی آگے رہی
ستاروں چمپ رہی تصانیف احمدی
دعوت کی پائے جو ہو بری بھی
ملتی ہو کسی آگے زور و سیم کی بھڑی
دنیا پہ جب تنگ کہ مسلط ہے ابھی

یقین

آتشِ نبیؐ ہے شرمِ تجھے ملے خدا پرست
جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں سو سے
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
وہ مانگتا ہے توں سے مرادیں ہنے علم بھر
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصور
تو بندہ غرض ہے وہ راضی رضا پہ ہے

دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کو
ہوتی نہیں مقبول تری اک اگر دعا
جس کا یقین ہی تیرے یقین سے کہیں سوا
گو حاجت اُس کی اُسے ہوئی بڑی نہ ہو روا
امید اُس کی روزِ فردا ہے اور انتہا
وہ ہے کہ یہ ہے بندگی کے لئے بندہ خدا

استفادہ

یہیجے بھیک دوڑ کر۔ گر ہو کہ اگر گی کا یہ
ہی ہی اس کتاب بوجھے سب مستفید

جس سے ملے یہاں ملے جو ملے اور بے
زک ملے یا منرا ملے۔ درس ملے۔ از بے

لائق آدمی دوست اور دشمنوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ "اگر غور کیجئے
اول تو سوچتا ہی نہیں عیبِ دوست کو
برایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
دشمن ہی بڑھکے کوئی نہیں آدمی کا دوست
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدگال

ہے حق میں سب کے دوست و دشمن مفید تر
اور سوچتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر
سو سطح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
منظور اپنے حالی کی اصلاح ہوا اگر
رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب سے مستتر"

گو قول ہے میتیں پہ جو تھی سخن کی تہہ
 دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید
 اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب
 جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں
 انیسوس سب حکیم کی پہنچی نہ ڈال نظر
 عیب ان کے دوست کیوں تھا نیکیے بھینچ
 وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہو گئے بہرہ ور
 موقوفِ عبرت ان کی نہ دشمن دوست پر

سخن سازی

ہے مردِ سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز
 موجود سخن گوہوں جہاں اں ہیں طبعی پ
 دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ
 پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اس کو
 اور جاتے ہیں بن آپ طبعیوں میں سخن گو
 پر ایچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دو نو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں
 کہا اے نفس نہیں تجھ میں مال اندیشی
 ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی
 سو دے کچھ تجھے رغبت زیاں سے پرہیز
 نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر
 نہ جوانی میں تجھے مہر نہ پیری میں شک و شبہ
 کہیں جائے نہ بھگ منزل مقصود سے تو
 اپنے دعووں پہ بیاں کر کے دلیل برہاں
 دروہیں تیرے اسی واسطے رہتے درماں
 جس کا آنا ہے نظرِ پیشتر از صبح زیاں
 تیرے نزدیک ہے درو اور دو اسکیاں
 یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہے حق گماں
 کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں
 دیکھ۔ جاتا ہے کہ صراہ تجھے مانا ہی کہاں

عیش باقی و حیاتِ ابدی سے حرام
و غطا پر تیرے ہے زیبا کہ خدا کیجھے جاں
گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سرا سر ہے بیاں
کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جبرِ ناداں
سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جس پر قرباں
ایک مدعو اسے کرتا ہے پس از سالِ داں
سال بھر صبر کرے گر سنگی میں انساں
بذبحہ یہ تیرا مجھے دیکھیے پہنچائے کہاں
کیجھے لاکھ بیاں اس پہ دیں و برہاں
نہ ہر دانستہ کرے نوش۔ نہیں یہ امکاں
اس کے کھانے میں نہیں جان کی خیر و ناداں

ہاتھ دھو لذتِ فانی سے نہیں گر منظور
نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق
پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے قابل
نقد کو چھوڑنا اور نسبیہ کی رکھنی اُمید
ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا
ایک باب بھٹکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعنا
کیونکہ اُمید پہ اک مادہٴ نعمت کی
عقل نے سن کے کہا خوف ہی تجھے لے نفس
حق کے پیرا یہ میں ہوتا نہیں باطل سہزہ
جاں بنب بھوک سے ہو گر سنہ بانغرض اگر
نہ کہیں بھوک میں کھا بیٹھو یہ لقمہٴ لفت

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا
ہنس کے عادت نے کہا کیا عقل ہے مجھے الگ
گھیر لی عقل جوابِ ندیش کی سب نے جانے
میں ہی بن جاتی ہوں نادان فہمہٴ عقل و دانے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سنتے ہیں یہ ایک مدبر کی ہے رائے
شاعروں کو سلطنت کا کیجھے رکن
چاہیے کہ رونقِ علمِ زباں
جن پہ اسکی سب کانیں ہیں عیاں

راے صائب ہی بہ ظاہر و تمیز
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
شعرو انشا کو تو ہو شاید فرغ
ہی بہت کم پر خلعت اسکے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہی جب
شاعروں کے ہاتھ ہوا اسکی عنان
اور جو وہ شاعر ہیں ہندستان کے
شعرو انشا کو بگی ہی خوف زیاں
ایک پر ان میں سے چل سکتا نہیں
دو ہرے کا جادو سے حق بیان
ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی
پھر ترقی شعرو انشا کی کہاں

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے
کہ اُس کے عیب سن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ منوں مالی
اُس قدر خوبیوں کے اپنی نہیں شکر گزار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں
گو کہ کہہ رہے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو بیخ ان کو کمال
گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پاسے قرار
اور جو ہو گوش زد ان کے کوئی خوبی اپنی
خوش تو پڑتی ہی مانی اُنھیں صورت ناچار
دل میں ہوتا ہے کہ غم کا یہ عالم اُن کے
کہ طال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہن ہار
رُتبہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا
نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب ال
انگریز کے سوانہ کسی سے قصا مانگتا

پوچھا کسی نے اُس سے کہ اس کا سبب کیا
 چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
 آتا تھا مانگے میں بہت بھیک کے مزا
 منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
 گر چند روز اور رہا ان سے سبقت
 کی آفریں اور اُس سے مخاطب نے یوں کہا
 حق میں ترے مفید ہیں یہ اُن سے بھی سوا
 اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے خدا
 دل بھائیوں پہ بھی نہیں اُن کا پسینا
 جتنے کہ یہ عزیز غریبوں سے ہیں خفا
 شائستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چھٹا

دست تک اُس کی جیب ہی دیکھی گئی روش
 بولا کہ عادت اس لیے کی ہے یہ اختیار
 پہلے جو بھاگوانوں سے ملتی تھی روز بھیک
 پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پر مدار
 اُمید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
 آیا جواب اُن کے یہ اُس کا بہت پسند
 نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تسلیم یافتہ
 انگریز اگرچہ ہندویں کے حق میں ہیں بھیل
 پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تسلیم یافتہ
 انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
 اہل غرض پہ کائنات کو دوڑتے ہیں یہ

اسراف

ایک سرف نے یہ تمسک سے کہا
 تو جویوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ
 کب تک اے ناداں یہ تھپ مال و زر
 ہے مدد دنیا پی میں رہتا مگر؟
 جنس کے تمسک نے کہا ہے سادہ لوح
 زربلطانا را نیگاں اور اس قدر؟
 آج ہی گویا (نصیب دشمنان)
 آپ کا دنیا سے ہے غم سفر

پاسِ نیکنامی

اے نیک نام شکرِ کراں اللہ کا ادا
جس نے بنایا نیک بچھے کر کے نیک نام
ہوتا اگر نہ پاس بچھے نامِ نیک کا
پھر دیکھتے کہ کتنا ہے تو کیسے نیک کام
ماشاکہ تجکو خوفِ خدا کا ہو اس قدر
جتنا کہ خوفِ طعنه و تشنیعِ خاص و عام

غورِ نیکنامی

گئی ہے حد سے گزر شیخ کی نکونامی
گمان بہ کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُس کے عیبِ قسم سے بیان کرے کوئی
خود اُس کو عیب کا اپنے یقیں نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا ٹیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف نوزوں
راہ میں دونوں کی باہم ہو گئی کچھ ہشت مشیت
صدمہ پہنچا جس سے تنی کو بہت مسکین کی
ٹھوکر کر کے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
آخر میں کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونوں دپس
ڈاکٹر نے آ کے دونوں کی منی جب سرگزشت
دی سن گورے کو لکھ تھی جس میں تصدیقِ مرض

دوسرا پیدل - مگر پہلا سوار راہوار
کیونکہ بیماری کی جھٹکا تھے وہ خواستگار
کو کھ میں کالے کی ایک دھکا گورے نے مار
آ کے ٹھوڑے سے یہاں سائیس نے اسکو اتار
چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب دلی میں سوار
تہ کو جایا پہنچا تھی کی منی کے قصہ ایک بار
اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت ناز و نزار

یعنی ایک کالا نہ جس کو لے کے مکے سے ملے
 اور کہا کالے سے تم کو مل نہیں سکتی سند
 ایک کالا پیٹ کے جو گورے سے فوراً نہ چا
 کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زہنہار
 کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جان دار
 آئے یا با آس کی بیاری کا کیونکر اعتبار

خود ستانی

لے دل بشر وہ کون ہے جو خود ستا نہیں
 جو زیورِ خود سے مہرا ہیں سادہ لوح
 جوان سے تیز ہوش ہیں سو سطح سے وہ
 کہتا ہے ایک کیسی حاققت ہوئی ہے آج
 کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفصل
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل یہ
 کچھ اس لیے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں شمار
 کچھ اس لیے کہ اپنا ہوا انصاف آشکار
 کہتا ہے ایک ”لا کھ نہ مانے بُرا کوئی
 کہتا ہے ایک ”دُہے خوشامد کا اور ہی
 دھوکا ہنس کر دے کے چھپاتا ہے عیب یہ
 چپ چاپ بن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں
 کہتا ہے ”اسپے کوئی کہ سب حسن ظن ہے یہ
 تلخ ہی وہ انہیں پہ ہونے دھف بیاں
 پر خود ستائیوں کے ہیں عنوانِ جدا جدا
 کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی بر ملا
 پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
 کبیل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا
 سائل کی ڈپ میں نے دیا مال جب کبھی
 اور بن کے بیوقوف جاتا ہے وہ سخا
 اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں شنا
 کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص حسابجا
 ہی عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بُرا
 پر جاتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا
 اور منہ سے دُرو کہہ کے دکھاتا ہو دھفا
 یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا
 اک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا
 اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید۔ عمرو ہے شدتِ سادہ لوح
کہتا ہے عمرو۔ زید بھی کتنا ہے عیبیں
یہ اس کا اور وہ اس کا بیاں کر کے کوئی عیب
غیبت۔ امید ہے کہ نہوتی جہان میں
حالی۔ جو پترے کھول رہے ہیں جہان کے
یعنی کہ لاکھ پروں میں کوئی چھپائے عیب
انقصہ جس کو دیکھے جاہل ہو یا حکیم
گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا بُرا
بد ہو کہ نیک اُس کی زباں سے نہیں بچا
ہر اک ہے اپنی اپنی بُرائی نکالتا
ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود رستا
شاید کہ اس سے آپ کا ہو گا یہ مدعا
اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
آزار میں خودی کے ہے بچارہ مُبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس وہ ہمارے بس ہیں ہے
پر جو دیکھا غور سے وہ بھی کیاں تھیں نفس کی
جب کیا حملہ دے سب عقل نے ہتھیار ڈال
گر کبھی حملہ پہ اُس کے غالب آ جاتے تھے ہم
جن کو نادانی سے حملہ اس کے ٹھہرتے تھے ہم
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں فلاں اُس میں نخل اتنا بد نما نہیں

جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
لیکن بخلان آپ کے سب اگلے سخنور
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مُسرّت کی مذمت
جب کرتے تھے۔ کرتے تھے بخلوں کو مذمت

اسراف بھی مذموم ہے پر بخل سے کمتر
 حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سبب اس کا
 وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو ننگ
 اور اب کہ نہ دولت ہی نہ ثروت ہی نہ اقبال
 ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
 ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
 یاروں کے لیے ہے یہ بیان جو بخت
 پھر اس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی فصلت
 گھر گھر یہ ہو چھایا ہوا افلاس و فلاکت
 پرواز کی ہے چوٹیوں کو جیسے ہدایت

رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت
 بولے آج اس کا نہیں جہاں نوازی میں نظیر
 ضلع کے حکام کا اوسنے اشارہ چاہیے
 یادگار ہیں ایمان دولت کی بنیں
 پاکی یا نجیت ہے جو سواری اُسکے پاس
 کیا کلکتر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عیس
 جب یہ دیکھا درج کا دفتر نہیں ہوتا تام
 عیب بھی اس کا کوئی آخر کر دیا رو بیاں
 بر سیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
 عالمانِ شہر دعوائس کے رہتے ہیں سدا
 پھر کوئی دیکھے سخاوت اسکی اور بذلِ عطا
 انیس صرف اسکی رقم ہی سب کے چننے سے ہوا
 اہلکاروں کے لیے ہو وقت بے چون و چرا
 اُسکی ہمت کے ہیں سب مداح بے رد و ریا
 جوڑ کر ہاتھ ان سے حالی نے بھر دنت کہا
 سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا منہ لگا

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف
 کہا "فقیلہ اقرار باللسان ہے صبر و ر
 تو دی چراغ سے اُس کو یہ آبِ تابحال
 جہاں ہو آتشِ تصدیق و روغنِ اعمال"

کہا کسی نے کہ کھلا ہے ان نوں اک تیل نہیں ضرور فستیلہ کا جس میں استعمال

برکت اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہی جن میں ملاپ
 نہ انھیں حاجت احوال نہ تلاش انصار
 پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور کچھتی
 نہ ملا ذوق کے لیے قلعہ نہ خندق نہ فصل
 ایک تلمانیے سنا جب یہ سخن مسموایا
 اتفاق اور نفاق اہل میں کچھ چسپ نہیں
 وان قلت کی ضرورت ہی نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
 کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر
 پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
 دولت و بخت ہی ہر مال میں ان کے ہمراہ ✓
 نہ انھیں خوف بد اندیش نہ بیم بدخواہ
 اس کی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت جاہ
 نہ مفید ان کے لیے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
 تکیہ اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہے گستاہ
 دست قدرت کے ہی سب ہاتھ سفید اور سیاہ
 پر لگی فضل کی مولا کے جدھر ایک رنگاہ
 کر دیں افراد پر اگر گندہ جماعت کو تباہ
 اس کو جب دیکھا ہی دیکھا ہی جھول کے ہمراہ

بعض ضروری مانع قرب معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لیے شہر میں ک گھر
 جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
 ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب انوس
 تہی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہی گھر پر
 جا اپنے محلہ سے کہیں دور بیت یا ✓
 دل درویدائی سے غریبوں کا بھر آیا
 اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
 اتنی بھی محبت انھیں گھر سے نہیں کیا؟
 لہ یعنی کہ وہ اہل جو بغیر حق کے بھی مل سکتا ہی گویا محبت کے نزدیک قرار بالسان بیان کی تعریف میں فعل نہیں ہو

حالی نے کہا "اُس ہے چیز اور وفا اور
اُس ہر وفا کی نہیں تھی یہ بڑی چھینٹ
ہم غش میں کیوں نہ عاشق ہو مکاں کی
گھر دل میں ہو یا روں کا تو پھر گھر ہے برابر
تبی نے مزاحیل کا وفا کے نہیں پایا
کتے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو نہ پایا
گھر بھول گئے ہم یہ نہیں تم کو بھولایا
مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادقؑ سے عرض کی
محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں گرا آپ کرم بھنیہ گا وہ گاہ
ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی ہر ذرا
لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
صحبت میں بیٹھنے سے کریں گے تری حذر
اور جن سے ہے امید نصیحت وہ بالیقین

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خادم ماموں کے بہت گستاخ تھے
کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت
پیش خدمت اُس کے بلا اخلاق ہوتے ہیں سدا
ہے دلیل اس کی کہ ہے خود خلق آقا کا بُرا
اُس نے گویا ڈھا دیا رکن رکیں اخلاق کا
گھو دیا ہمیت کو اپنی جس نے اور تکیں کو

خوشامد کرنے کی ضرورت

متموکل کا تیر چپڑا یا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا

ابن حمدوں ندیم تھا حاضر
 "جن کو خلق خدا یہ شفقت ہو
 جانہ سکتی تھی بچ کے تیر سے
 ابن حمدوں نے کی یہ دانائی
 دور تھا در نہ کیا خلیفہ سے
 جانے کجشک ابن حمدوں پر
 ابن حمدوں کی جان گو جاتی
 کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
 خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا
 تو نے دی قصداً اُس کی جان بچا
 کہ خوشاد سے یوں اُسے تھکا
 ہو کے اپنی خطا سے کھسیا
 تیر کا اپنے امتحاں کر تا
 دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹنڈا

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہاروں نے کہا۔ مصر لگا تھا جب اُسکے
 وہ خطہ ملعون تھا بھی جس کی بدولت
 میں بھی اُسے اُس باغی و طاغی کے علی الرغم
 کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُس کے حوالے
 باڑی گئی بہہ ایک برس نیل کی رو میں
 فرمایا کہ روئی کی جگہ بڑے اگر اڈن
 ہارون نہ سمجھا کہ ولایت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 فرعون کا تھا مصری نے مغر چلایا
 تھا دل میں خدا کی خیال اُسکے سہایا
 اک بندہ بے قدر کو بخشوں گا خدا یا
 جس پر نہ پڑا تھا خرد ہو خوش کا سایا
 نااہل کے پنجبہ میں اہالی کو پھنسایا
 یہ حادثہ آ اُس کو کسانوں نے ستلایا
 ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا
 محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
 اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا
 اک سفلہ ناکس کی بنا اُس کو رعایا

ر شک

ظاہر مردوں کی طبیعت میں نہیں ر شک بقدر
ایک شہزادی کہ اکاوتی تھی جو ماں باپ کی
سلطنت میں اسکی تھا مردوں کو کئی اختیار
مرد ہی تھے اسکے حرم۔ مرد ہی اسکے مشیر
تخلیہ میں ایک ن جب چند حاضر تھے ندیم
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس ہیں
بات کی حین بیان سے اُس نے مئی ر شب ل
درد نہ یوں کہتی کہ ہی عورت کی سیرت سے مجھے

ہی طبیعت میں ہ جتنا عورتوں کی حب اگرز
تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدر مند نشین
عورتیں اصلاً ذیل اسکی حکومت میں نہیں
تھا نہ عورت کا پتہ دربار میں اسکے کہیں
ہنس کے فرمایا کہ لے دولت کے ارکان کہیں
بلکہ ہوا اس ایسے تم سے کہ تم عورت نہیں
تاکہ کوئی سوئے ظن اُس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ایسے نفرت کہ ہی مردوں کی صورت دل نشین

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر فرض
پر جو سچ پوچھو نہیں قانون ہیں
اس میں پھنس جاتے ہیں کم زور ہیں
پراسے دیتے ہیں توڑاک ان میں
مانتا قانون کا بعد از خدا
جان کچھ مکر ٹی کے جاے سے سوا
اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
چوسکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں فرا
حق میں کم زوروں کے ہے قانون

اور نظریں دور مندوں کی ہے لا

شادی قبل از بلوغ

جب تک نہ شاہ زادہ اٹھارہ سال کا ہو
قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے
تحتِ پردہ اُس کو ممنوع ہے بٹھانا
عالم میں آج کل جو مانے ہوئے ہیں انا
لیکن کریں نہ اُس کی قبل از بلوغ شادی
کہتے ہیں وہ عیث ہے قانون یہ بنانا
نزدیک اُن کے گویا برغم عقل و دانش
ہی کنکڈم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اٹنا لے و غط میں ہے تک یہ کلام و غظ
قدِ قلیل ہے سب مال و ممال دنیا
گویا کہ حرص اُس کی اس سے بھی نہیں ہو
ہی جس قدر فراہم پاس اُس کے مال دنیا

امرا اور عقلا

جانتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرد مند
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں
وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جاننے کی ضرورت
طے عقلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا
بیار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہر حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

لے بیواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم
تم زود سے نفس کی ہو جی تک نیچے ہوئے
اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
ہو جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفسی کی آڑ

اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد پیش گرم کو ہوں نصیب تو دنیا کو دو آ جاڑ

سیج کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سیج کو تحریر و نسیں پاؤ گے نہ تقریروں میں سیج کہیں ہی تو وہ سینوئیں ہی انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

ٹھوٹ کارگیر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہو کام اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہی سدا
افسروں کا بھی ہی شیوہ ہے وقت باز پرس اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں ٹھوٹ پی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آؤ کے جو لوگ تمہاری ہر دم لے ارباب دولت
خوشامد پر نہ ان کی بھولست نام وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں ان میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مستوح داں پاؤں جانے کے لیے تفرقہ ڈالو
ادھ عقل خلاف اس کے تھی یہ مشورہ دیتی یہ حرفت ٹیک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پراسائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر مانو اسے اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو

کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہیں لیکن جو بات سبک ہو اُسے منہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ہر ملکوں کی بڑی گت
لیکن بخلات اسکے ہی عورت کا جہاں راج
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں ار
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں فسر شاہی
داں ملک ہی سرسبز اور آباد رعیت
قبضہ میں ہی داں عورتوں کے دولت و مکت
سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

مغروں کی پہچان

غروبِ زید کی کتاب ہے کہ شکایت عمرو
جنہوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا
تو سمجھو کہ کتاب ہے اپنے غرور کا اقرار
بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہن ہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے
کب کیا کیوں کر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں
اُس نے کی تاخیر اُس میں جس قدر اچھا کیا
بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گداے میرم

اک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز
آں نکلا بانوا اک مانگتا کھاتا ادھر
مانگتا تھا ہاتھ پھیلانے دعا بیٹھا کہیں
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں

دل میں آیا چھوڑ کر قابلِ برہمن کو کرے
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
مورتی کچھ تجکوٹے گی اور نہ دیکھتی ہو وہ
ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بند کا کا
ہم نہیں دیتے بھی تم جیسے ڈھیسٹوں کی طرح
تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر نہیں
بانوا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ میں
ناحق اتنی التجائیں اسکے آگے تو نے کیں
ہے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے میں
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانچ پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم لے خود پرستو طبیعت کے بندو
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
جو حجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
اگرل پڑے چوسرا درگجھنہ پر
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو حبانو
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
جو ہے تم کو کھانے کا چمکا تو سمجھو
جو پیئے پہ آؤ تو پنی حبانو اتنی
جو کھانا تو بے حد جو پینا تو ات گت
یعنی پیٹ بھر کے الحق۔ الحق کا لفظ اکثر اس مقام پر مذمت کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی
اس کی حاکمیت ظاہر کرنی نہیں چاہیے۔ ۱۲

طیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو طلال
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
کہ ایک بڑی ہیں سب ٹہنیاں صفا نکلیا
تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشا
جو پل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار
کیا طلال کا اپنے گر اس جگہ اظہار
دہ جانتے ہیں کہ تحب جائیگی خطا ہم پر

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی
ہوتا ہے اس سے کاپریٹیاں کوئی اگر
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد
بھولے نہ اپنی یاد پہ انسان کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہواور خطا

فضول خرچی کا انجام

ہرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے ظریف
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولتمند
ہوا جو ایک دن اُس راہ سے گزر اُس کا
جہاں سے ہو کے گزرتے تھے سب صغیر و کبیر
سخی ہوا اس میں کہ مسک - غریب ہو کہ امیر
کہ جس کا تھا کوئی اسراف میں نہ شب و نظیر
درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر

کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت
 پہ لوں گا آپ سے میں بائج کم سے کم دینا
 یہی اُنکے تعلقے رہے تو آپ کو بھی
 سو وقت ہے ہی لینے کا خود بدولت سے
 کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک غیر
 کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں وال پذیر
 ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
 دکھائے دیکھیے پھر اس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

✓ غیر ممکن ہے کہ اُنکے جانے دلیل و بحث سے
 ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
 جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں ظلمات
 رفع ہو سکتے ہیں پھر کیوں کہ ہزاروں اختلافات

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موروذات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار
 ایک ٹکڑاُس آنے والے وقت کی
 دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی
 اور بھی حیوانِ ناطق کے لیے
 دو ہیں اُن میں سے نہایت جانگزا
 شک نہیں ہے جس کے آنے میں ذرا
 زخمِ جن کا زحمت ہے تلوار کا
 ہیں بہت سی رحمتیں ان کے سوا
 رہتے ہیں دو درانِ گزندوں سے سوا
 اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا
 کیسا انِ آلام سے رہتِ نجات

چند بازی کا انجام

ایک مٹالے سے چند و کے ہ تھا ہوشِ جین
 بلا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
 پوچھا صلح نے کہ اس کام کا آخر انجام
 زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام

آنکھ میں اپنے پرانے کے ٹھہرنا بے قدر
ہم یہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا
کہا نا صح نے کہ انجام ہو معلوم اگر
یہ تو کہتے ہو کہ انجام برا ہے لیکن
برے انجام کی تب ہوگی حقیقت و سن
منے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم

شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
نفس سرکش کے گمراہی میں ہر اپنی زمان
سے نہ اس نہ ہر بلا ہل کا کوئی قبول کے نام
یہ بتاؤ کہ برا ہونا ہے کیسا انجام
برے انجام سے جب آکے بڑھکا خود کام
گو کہ رکھتے ہیں نفیس موت کا سب نہ نہ و نام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں تھا یوں کہتے ہیں
چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاقو نہ پس
خوڑنی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انھیں
انغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
سن کے حالی نے کہا۔ ہی حصر انگریزوں کیا
ہیں محبت میں سب نہ مے اپنی اپنی قوم کے
مکھیاں جیتی بھل جاتے ہیں پاس قوم میں
ہاں۔ بری اس عیسے لے دیکے لیں نہیں ہی
اور قوموں سے انھیں لوگوں کو پس یہ تیار
ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کیاں

پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
اس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
ان کے لندن سے منگائیں بس مے ان کا اگر
جانتے ہیں دین و ایماں اپنا قصہ مختصر
ایک سے ہی ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
یہ وہ خصلت ہی کہ مجبور اس پہ ہے طبع بشر
اچھے اچھے راستہ باز اور حق پسند و دادگر
چشم بد دور آفتاب مر حوم لے جان پد
حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر
جس قدر ہی ان سے اپنوں اور گناہوں کو خطر

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ بہت سی ردیفیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں اس لیے ہر ایک ردیف میں دو نوں قسم کی غزلیں ملا کر لکھ دی گئی ہیں اور تمیز کے لیے ہر قدیم غزل کے شعر میں ماضیہ پر حرف ق لکھ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

سہ اشارہ می اس حدیث کی طرقت اذان اللہ تعالیٰ فیما بینکم و فیما بینکم و فیما بینکم

قبضہ ہودوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
حرم بھی ہے ایسا ہی میا کہ ہے ناظم
چہا نہیں نظر دل میں یاں خلعت سلطانی
عظمت تری نے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیطا اُن کو
نشہ میں یہ احساں کے سرشار ہیں در بخود
تجھ است پر سے تجکو ادراک کی سرحد سے
طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہو گویا
انہاں میں پیلیگی کب تک نہ مہک تیری

اک بندہ نافرماں ہے حمد سدا تیرا
بندے سے مگر ہو گا حق کیوں کہ ادا تیرا
کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
کلی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
جو بچ و مصیبت میں کرتے ہیں گھلاتیرا
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا
عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار روا تیرا
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام مصیبت تیرا

ماضیہ پر حرف ق لکھ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے

کچھ رنگ بیان حالی ہی سب سے جدا تیرا

کمال ہے جواز دل سے وہ ہے کمال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
باقی جو ہے ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جلال تیرا
کاوش میں ہے الہی دُگدا میں طبعی
جوجل ہوا نہ ہو گا وہ ہے سوال تیرا
بھوٹے بھوٹے ہیں گوجی۔ پزل بندھے ہوئیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
دکھ تیرے لاکھوں یاں مٹاتے ہیں
لیکن ٹلانا ہر گز دل سے خیال تیرا
و حکم تیرے لاکھوں یاں مٹاتے ہیں
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہی سو چیز تیری۔ جاں ہی سوال تیرا
رکھتی ہے آسرا یاں جو پسیر زال تیرا
یاد رکھی نہ پائے زحمت اندام تیرا

برگانی میں حالی یہ رنگ آشنائی

سن سن کے سر و چین گے قال اہل حال تیرا

بڑ میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزاج خوشگوار دیکھا

نہ اس سفر میں تھکان دیکھی نہ اس نشے میں خار دیکھا

جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے

رہے سدا نامراد جو یاں اُن فیں بھی اُمید دار دیکھا

بچ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ اسروز جس چمن میں
 نہ بلبس و گل میں داں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سوار محل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
 نہ محل آیا نظر نہ نات فقط کچھ اُٹلتا غب دیکھا
 جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ کھلا بھی قیمت سے ہمید تیرا
 بلانہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری بھل گئے جو نہ جھکے دریاے پر خطر سے
 گئے وہ کو د آئیکہ بند کر کے نہ دار دیکھا نہ پار دیکھا
 بچے ہوئے کا ہشوں سے یاں کی دہی ہیں تیرے ہوئے ہیں
 وگرنہ زخموں سے مادوؤں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا
 چمن میں بھولے سے جا بھی نہ گئے اگر کبھی داغدار تیرے
 گل اُن کی نظروں میں چھپتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا
 خبر نہیں یہ کہ کیا ہے - کیا ہے - کون ہے - اور تو کہاں ہے
 پہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علاوہ اک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر و ترسا ہو یا مسلمان
 نہ ان سے کچھ تیرا سیر پایا نہ اُن سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سیر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
 جنھیں قہایاں اختیار سب کچھ اُنھیں بھی بے اختیار دیکھا

بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا

ہمیشہ بیکار تنگوار پایا کبھی نہ سر گرم کار دیکھا

پردہ ہولاکہ کینہ شہر ویزید کا
مضموں ہو نقش دل میں لد فیاضد کا
چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا
کونین سے پھر لگا نہ دامن اُمید کا
چھوڑا جب آرزو نے بھر وسا کلید کا
ہوشش جہت میں قحط دل نا اُمید کا
انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
یاں امتیاز کیا ہے قریب و بعید کا
خون جگر میں نشہ ہے جام نبید کا
یار بیا روزہ دار ہر شاق عید کا
لا تقنطوا جواب ہے حل من مزید کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیابیاں

لیگا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا الٰہی الصفات یا بشری القوے
تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارائے فنا
فیک دہل علیٰ انک خیر اورے
خلق خصل لزمان بنگ حیا اورے
مورت و سیرت تری صدق یہ تیرے گوا
ادھر منا تیرا خدا اور بچھونا خدا
دعویٰ روشن ترا ثابت بے بدینہ
قال ترا اور حال نشہ و مدت میں چور

غیب سے بھیجا جتنے ناپتا پھرتا تھا جب
اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
شان رسالت کی جتنی تیری جبین سے عیا
گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
دوڑ پڑے سو سے حق کاٹ کے سب بیڑیاں
راہب و سنس و حیرہ گئے دل تھام کر
خاک بھی جس ملک کی مزرع شتر و فساد
تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
چھوڑ گئے۔ تھے سلف کام ادھوئے بہت
تو نے کیا ستر حق عارف و عامی پہ فاش
چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
حجت حق نہ چکا دین ترا جب تمام
ذیمر ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود
بچھو گئے آتش کدے بیٹھ گئے بتکدے
اٹھے بہت بدنی جیسے کہ ساون میں گھاس
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام

دشت میں بھٹکا ہوا فاعلہ بے رہنا
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا
گود سے دایہ ابھی کہ نہ چکی تھی جھڑا
گلہ آدم تھے سو نپ چکی تھی قص
ایموں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
دیکھ کے تیرا قدم ہم مقدم انبیا
تو نے اُسی کو دیا ارض مقدس بنا
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترم کیا
تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
ایک کو بھجا دیا ایک کو دکھلا دیا
ایک کو چرکا دیا ایک کو گھائل کیا
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما
شرک ہو مضمحل اور کہا نت ہما
ہو گئی تشلیک مات اور شہوت فنا
مزیلہ بر چند روز پاتی ہے نشو و نما
دل گئے اٹھ اٹھ کے سب خاک میں اہل ہوا

۱۲۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہما۔ ضیا۔ ناچیز ۱۲

۱۳۔ جو ہی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزداں و ادرہرمن کو مانتے ہیں۔ اس
عتیدے کو ثنویت کہتے ہیں۔ ۱۲

رہ گیا نام سچ کذب میں ضرب المثل اسود و این کثیر خوار ہوئے بر ملا
 سلسلہ انبیاء حتم نہ ہوتا اگر حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا تھا
 آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنویں سے نکال جس کو پہلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
 بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ بھج چکا تیرے ہاتھ ملت بیضا خدا

تجدید صلوة و سلام رب سموات سے
 روز و شب و صبح و شام قدر ریل و حصے

لے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
 ابراہیم سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں جو زہ پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا
 راہوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
 کیا نعموں کی دولت کیا زہدوں کا تقویٰ جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا
 جس رہ گزریں بیٹھا تو غول راہ بن کر صنعاں سے راستہ کو رستہ دکھا کے چھوڑا
 فرما دو کہ کن کی لی تو نے جان شیریں اوقیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
 یعقوب بے بشر کو دی تو نے نابھوری یوسف سے یار سا پر ہتیاں لگا کے چھوڑا
 لاگ دوں لگاؤ دونوں ہیں دگداز تیرے پتھر کے دل تھے جگمگے ان کو رلا کے چھوڑا
 عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چھینش جہاں کی نقل و خرد کا تو نے خاک آڑا کے چھوڑا

لے سچ ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ ہے
 ہوا کذب من سچاح اور اسود یعنی اور یہ ملکہ جس کی کیفیت ابن کثیر ہے یہ دونوں بھی مدعی نبوت
 تھے۔ آخر کا قتل کئے گئے۔ ۱۲

۱۲ ریل : ریت - حصے : نگرے - ۱۲

علم و ادب رہے ہیں دلبے تیری ہمیشہ
افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش
ہر معرکہ میں تو نے ان کو دلا کے چھوڑا
شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا
اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے اُمید کجیو ہم سے نہ تو کنارا
یوں بے سبب زمانہ پھرنا نہیں کسی سے
تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک پہاڑ
لے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہی اشارا
تنت کے بعد کل داں جانکھے تھے دھارا
لے ناہ و تمھارا ہے اس میں کیا اجارا
دنیا کے خوشوں سے بچ اٹھے تھے ہم اول
توفیق نے ہمیشہ لی منت پہ نہر یہاں
انصاف سے جو دیکھا نکھلے وہ عید بنا سے
افسوس اہل دیں بھی مانند اہل دنیا
آمنت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
کیا پوچھتے ہو کیوں کر سب مکہ میں آئے چپ
حالی سے کام ہی یہاں فلوں سے اس کے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رہے ہمارا

روزانہ ہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا
الفت میں مہدم کچھ لذت ہی بڑھتی جاتی
جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہی غم تمھارا
چھوڑے کا کھاکے شاید عاشق کو غم تمھارا

لے دلا نا۔ کشتی دلا نا یعنی بچاؤ نا۔ اکثر کشتی کا لفظ مذمت کر کے صرفت دلا نا بولتے ہیں۔ ۱۲

عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں اعطا
دل جو نہیں کوئی یاں حیف از صغیر ستو
ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں تم تہارا
دلکش بہت تھا در نہ بیت الصنم تہارا
اپنی نظرس میں ہو گا کہ وزن کم تہارا
آتا نہیں مجھ میں کچھ پیچ و تنہم تہارا

دو بیواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو
روسی ہوں یا تباری ہم کو تائیں گے کیا
لکھوی ہیں تم نے آنکھیں لے حاد ثہاری
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دے سوار
رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا لو گے
پھرتے ادھر ادھر تو کس کی تلاش میں تم

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زور تسلیم تہارا

وہ دل ہے شکستہ نہ وہ بازو ہیں تو انا
خود مہرطن سے ہے دداع آب کے سفر میں
دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے جی سیر
یار بطلب وصل ہوا ہو طرب وصل
دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حباں
افسوس کہ غفلت میں گنا عہد جوانی

بیہنجای ہیں اب کو ج کاتم سمجھو زمانا
جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا
جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن دکھانا
چھل بل میں تم اس زل فتنہ گر کی نہ آنا
تھا آب بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
دنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دلی وہ دن ہے کہ جس دن میرا سے چھوڑ کے جانا
لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

دُعا رس سی کچھ لے ہم قدمو۔ تم سے بندھی ہے

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا

یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچانہ کیجیے گا

جولانہ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جانتا اُس کو غیب ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا

نسا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر و کج

یہ کہہ دو۔ دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا

اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو

کرے وہ یاد۔ اس کی بھول کر بھی۔ کبھی منت نہ کیجیے گا

کہے اگر کوئی تم کو دعا عطا کہ کہنے کچھ اور کرتے کچھ ہو

زمانہ کی خواہ ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پردا نہ کیجیے گا

کمال ہے ضد بے کمالی۔ نہیں ملاپ ان میں حجت گیر

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بے جا نہ کیجیے گا

گناہ تم میں نہ لاگ نہ ابد نہ دردِ اُلفت کی آگ نہ ابد

پھر ابد کیا کیجیے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجیے گا

تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو

سلوک اس سے کیے یہ تھے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا

ہو غم دیر شاید کعبہ سے پھر کراپنا
قیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم
پیرِ مغاں سے ہو کر تب سرخرو ملیں گے
بیگانہ دش ہے گردہ تو ہی ہمارے ڈھب کا
عصمت پہ اپنی مٹی خود قطرت گواہ اپنی
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق ناہے
آتا ہے دور ہی سے ہم کو نظر گھراپنا
دشتِ رہیگی دل کی دکھلا کے جو ہر اپنا
فضل و ہنر کا ہو گا جب چاک محضراپنا
ایسوں ہی سے بھاہے یا رانہ اکثر اپنا
کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضراپنا
یہ ہے بضاعہ اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیر دل کو لیں گے آخر اپنا بتا کے کیا ہم

اپنوں ہی سے ہی حالی کچھ دل مکدر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر
تھا ہوش یا دِ گل کا دورِ خزاں میں کس کو
دیراں ہے بلغِ تس پر پھولی تہیں سما تی
اے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جرم بھی منہ سے
واعظ کی جھٹوں سے قائل تو ہو گئے ہم
آیا نہ تھا کبھی یہاں گویا قدمِ حسناں کا
تقلیدِ قوم ہی پر گرہ ہے ہمارے تحسین
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
خواب گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا
لے عندلیبِ نالوں یہ تو نے گل کھلایا
مژدہ مہا نے یا رب بلیں کو کیا مٹایا
گھر ہی بگاڑ ڈال تو نے بنا بنا دیا
احسان اس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا
کوئی جوابِ شافی پر اس سے بن نہ آیا
دودن میں یوں پلٹ دی کسے چمن کی کایا
تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظریں حالی چپا نہ اپنی

جو جو گماں تھے ہم کو اُن کا نشان نہ پایا

نفسِ عوی بے گناہی کا سدا کرتا رہا
حق نے اس میں کی اور میں نے کفر اس میں کی
چو دیوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی
طاعتوں کی زد سے بچ کر چلا راہِ خطا
نفس میں جو نار و خواہش ہوئی پیدا کبھی
منہ نہ دیکھیں دستِ پیر میرا اگر جائیں کہیں
تھا نہ انتحاقِ نحس پرستی تھیں سدا
چہرے پرست اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں

ایک عالم سے وفا کی تو نے لے حالی کر

نفس پر اپنے سدا ظالم جھٹا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا قطعہ کہیں کشف اپنا جملنا پڑے گا
نہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کہ شمع کوئی دکھلانا پڑے گا
نقصت بے اثر ہے گر نہ ہو درد یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنھیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا یہ سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنھیں تمھو انھیں خاموں پہ منہ اتانا پڑے گا
رہے وصفِ بخت کی مشق و اعط تمھیں سچوں کو پھسلانا پڑے گا
سخن میں پیروی کی گر سلف کی انھیں باتوں کو دہراننا پڑے گا

تعلق کا ہے پھنسا پینچ دیر پینچ قطع یہ عقدہ ہم کو بٹھکانا پڑے گا
 ہسٹاں ٹھوکریں کھائی ہیں تھپے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکانا پڑے گا
 نہیں اُنس کی اس غم کدے میں ۳ کہیں دل جا کے پہلانا پڑے گا
 دل اب صحت کو سوں بھاگتا ہر ۴ ہمیں یاروں سے شرمنا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ دفا سے ہم کو چھٹانا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ارادہ نسخ فرمانا پڑے گا
 بشر پہلوں دل رکھتا ہے جب تک
 اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز وہاں تک یہ آتش مزاجی تھیں جلد تر خاک ہوتا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکلیف کسی کی بس ابل شو شو کو دھونا پڑے گا
 بنائیگی ہرگز نہ یہاں کچھ کیے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابر کرم ترسائے گا میں بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
 پھل کچلے غل و فالتھ میں نہیں جو لگائے گا سبھنے پچھائے گا
 دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 ذوق سب جاتے ہے جز ذوق درد اک یہ لپکا دیکھئے کب جائے گا
 واعظ آتا ہے تو آئے دو آئے قطع پر مرزا آئے کا یاں کیا پائے گا

آئے گا اور ہم کو شرمائے گامفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
 عیب سے خالی نہ اعظا ہے نہ ہم ۳ ہم پہ مُنہ آئے گا مُنہ کی کھائے گا
 دل کے تو رہی کہے دیتے تھے صاف رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
 باغ و صحرائیں ہے جو تنگ دل جی قفس میں اُس کا کیا گھبرائے گا
 رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہوا قطعہ شعبہ تازہ کوئی دکھلائے گا
 ابرو برقی آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲ دیکھیے برسے گا یا برمائے گا
 مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر

مشکلیں آساں دی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا مُنہ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
 دل میں ہے باقی وہی حرص گناہ پھر کیے سے اپنے ہم چپتائیں کیا
 آؤں اُس کو ہیں جا کر مٹا اُس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
 دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہی آئیں ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
 جاننا دنیا کو ہے اک گھسیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
 عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرے اب دیکھیے پیش آئیں کیا
 دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا
 مان یہ بچے شیخ جو دعویٰ کرے اک بزرگ دیں کو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزل خوانی کے دن

راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

اک چرخ اور سہ راہ چلایا جاتا
 اُس کو کیوں بھولے گراں کو بھلایا جاتا
 مال ہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا
 نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
 بیہوشی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
 تم تو کہتے تھے کہ وہ ہی ابھی آیا جاتا
 گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
 اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
 ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
 وقت فرصت کا یہ کس طرح گنایا جاتا
 کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
 بھڑک اٹھا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
 خود بخود دل میں ہی اک شخص سما یا جاتا

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی

کہتے پہلے سے تو دے لے کے ہٹایا جاتا

راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
 بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
 جو کام ہیں اُن کا ہی انعام ہے گویا
 آخر ہوئی رات اور ابھی شام ہے گویا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
 دیا اُس نے تو اللہ سے غافل نہ صبح!
 پیپ چاتے اُسے نے اُسے دل اک بات ہم
 شب کو زاہد سے نہ مٹ بھڑ ہوئی خوب ہوا
 دل کو یہ تو نے دکھایا ہے کہ دکھ جاتا ہی
 امہ برآج بھی خط لے کے نہ آیا بارو
 شوق اُس وقت سے سر پر تھے منڈلاتا تھا
 لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ
 رہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
 تے کیا پیٹتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح
 نہ طاعت میں لگا جب تو لگا یا غم عشق
 س نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
 شوق سنتے تھے جسے ہم وہ ہی ہے شاید

صحت کا جہاں میں نہ نہیں اک نام ہو گیا
 نہ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نہیں
 چیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام
 وقت رحیل اور وہی عشرت ہیں ماں

اُٹھا تھا کچھ اوّل ہی سے یہ درد بڑی طرح آغاز ہی اُلفت کا بس انجام ہے گویا
 ادبار بھی دیکھو گئے جہاں پاؤ گئے اسلام اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا
 جب دیکھے حالی کو بڑا پائے بے کار
 کرنا اسے باقی ہی اک کام ہے گویا

ق غلوت میں تری صوفی گر فور صفا ہوتا تو سب میں ملتا رہتا اور سب سے جدا رہتا
 تھا آفت جاں اُس کا انداز کمانداری ہم بچ کے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
 کچھ اپنی حقیقت کی گرتھ کو خسر ہوتی میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
 یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد ان پڑھ ہی تو یہ کچھ ہی پڑھت تو بلا ہوتا
 باتوں میں شکایت کی بواقی ہر اُلفت کی گردل میں ملکہ ہوئی لب پر بھی گلا ہوتا
 ہم روز و رات اس سے ہنس ہنس کے ہوتے رہتے دانا تھا بہت ہم کو۔ روتے بھی تو کیا ہوتا
 گر صاحب دل ہوتے سن کر مری بے تابی تم کو بھی قلع ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
 جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبرِ واضح کچھ ہم سے سنا ہوتا تب تو نے کہا ہوتا
 جو جان سے در گزرتے وہ پہلے سو کر گزرتے کون کون سے تم آتے کیا جانے کیا ہوتا

کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ

سننے ہی کے قابل تھا تنہی سنا ہوتا

پیش از ظهور عشق کسی کا نشان نہ تھا تھا حُسنِ میسرِ زبان گوئی یہاں نہ تھا
 ہم کو بہار میں بھی سرگستاں نہ تھا یعنی خزاں سے پہلے ہی دلِ شادمان تھا
 ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا
 کیا جانتے تھے جائیگاہی اک نگاہ میں فقی دل کی احتیاط مگر ہم جہاں نہ تھا

سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہو
کچھ میری بخود ہی سے تھا رازیاں نہیں
رات اُن کو بات بات پر سو سو دیے جواب
رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے ہیں در نہ ہوا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سلی اک لیں چھبکی

بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا نہ بہار

شبِ انجمن میں حالیِ جا دو بیاں نہ تھا

رج اور رج بھی تنہائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم
اس سے نادان ہی بن کر بیٹھے
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آج
درمیان پائے نظر ہے جب تک
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی
اُس کو چھوڑا تو ہی لیکن لے دل
بزمِ دشمن میں نہ جی سے آرا
یہی انجام تھا اسے فصلِ خزاں
ددا سے جذبہ توفیق کہیاں

ق وقت پہنچا مری ر سوائی کا
کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا
کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
شوق تھا بادِ بہار پہیائی کا
کچھ اجارہ نہیں دلائی کا
حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
ہم کو دعوے نہیں مینائی کا
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
جھکو ڈر ہے تری خود رائی کا
پوچھنا کیا تری زیبائی کا
گل و بلبل کی شناسائی کا
ہو چکا کام تو انائی کا

محب غم بہت ہیں لیکن اذن ہم کو نہیں گویا ی کا
ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دُور ہے رسوائی کا

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
رور کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا
مٹی ہر نظر نہ حرم دیدار اور نہ یاں
ہر خار نخلِ امین و ہر سنگِ طور تھا
دردا کہ لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک دور تھا
جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارہ سائے کچھ
ٹھیرا قصور دار اگر بے قصور تھا
دُہی کشانِ بزمِ مغان کا نہ پوچھ حال
ایک ایک زندہ نشہِ وحدت میں چور تھا
اب باریابِ نجسِ عمام بھی نہیں
وہ دل کہ خاصِ محرمِ بزمِ حضور تھا
روزِ دواع بھی شبِ ہجر اس سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا
بیار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
بہرِ نازِ لغزش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں

تھا جو ملہ اُسی کا کہ اتنا مہمور تھا

دل سے خیالِ دستِ بھلایا نہ جائے گا
سینے میں دلِ غم ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
تم کو ہزار شرم سہی جھکولا کھٹکتا
الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا
لے دلِ ضائعِ غیر جو شرطِ رضاے دوست
زہنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائیگا
دیکھی ہیں ایسی آن کی بہت ہر بانیاں
اب ہم سے تمہیں محبت کے بایانہ جائیگا
تے تند و غلظت جو ملہ اہلِ بزمِ تنگ
ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائیگا
انہی میں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر
دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائیگا

کیوں چھڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
 بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
 ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا
 کس کس سے اتھلا مار چایا نہ جائے گا
 مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
 یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں چایا نہ جائے گا
 جھگڑوں میں اہل دیں کے نہ عالی پڑیں لب
 قصہ حضور سے یہ چکا یا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
 دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
 اگر تیسرا اس کا خطا ہو گیا
 سبب ہونہ ہولب پہ آنا ضرور
 مرا شکر اس کا گنہ ہو گیا
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا نہ تھا
 وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
 مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
 نہیں بھولا اس کی خصمت کا وقت
 وہ رو رو کے بلنا بلا ہو گیا
 سماں کل کا رہ رہ کے آتا یاد
 ابھی کیا تھا اور کیا ہے کیا ہو گیا
 سمجھتے تھے جس غم کو ہم جاننا
 وہ غم رشتہ رفتہ خدا ہو گیا
 نہ دے میری اُمید مجھ کو جواب
 رہے وہ خفت اگر خفا ہو گیا

نہکتا ہے اشعار حالی سے حال

کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

شکب گمراہ ہے راہ میں تمکین یا رکا
 اب دیکھنا ہے زور دل بے قرار کا
 اک خنکئی ہو گئی ہر شخص کی در نہ اب
 وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا

آؤ مٹا بی دو غلش آرزوئے قتل
 ہم خوش بختی ہوئے ہوں تو غم ناگو آؤ
 سمجھو مجھے اگر ہے تمھیں آدمی کی قدر
 گر صبح تک دفانہ ہوا وعدہ وصال
 اب مجھ بوسے گل پہ ہوا کب لیں
 ہر دم گردن آہ لیلے بلسد ہے
 غربت کے شعلوں نے وطن کو بھلا دیا
 حالی بس اب یقین ہو کہ دلی کے ہوئے
 کیا اعمت بار زندگی مستعار کا
 ملتا نہیں محسوس گلہ روزگار کا
 میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
 سن لیں گے وہ آل شب انتظار کا
 ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا
 پہنچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
 خانہ خراب خاطر آفت شعار کا
 ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوا سے کیا مطلب
 چشمہ زندگی ہے ذکر جمیل
 کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
 بادشاہی ہے نفس کی تسخیر
 خضر و آب بقا سے کیا مطلب
 جو کریں گے بھریں گے خود غلط
 نخل بالی ہمارے کیا مطلب
 جن کے معبود خورد غلماں ہیں
 تم کو میری خطا سے کیا مطلب
 کام ہے مردمی سے انسان کی قطعہ زہد یا اتقا سے کیا مطلب
 ہے اگر زند دامن آلودہ ۲
 صوفی شہر با صفا ہے اگر ۳
 ہو چارویلا سے کیا مطلب
 نگہت سے پش ہیں جو حالی
 اُن کو درد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبطِ شکایت کہاں ہو اب
وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز تھا
جس دل کو قیدِ ہستی دنیا سے ننگ تھا
آنے لگا جب اُس کی تناس میں کچھ مزا
نعرش نہ ہو بلا ہے حسینوں کا التفات
اک جرّے شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز
ہے دل غم جہاں سے سکد و شل ان دنوں

حالی تم اور ملازمت پر رہنے فروکش

وہ علم دیں کہ ہر اوردہ تقویٰ کہاں ہو اب

ب

یہ ہیں اعطیہ سب پہ منہ آتے ہیں آپ
بس بہت طعن و ملامت کر چکے
ہے مراحمی میں وہی لذت کہ جو
واعطو ہے ان کو شرمنا گناہ
کرتے ہیں ایک ایک کی تکفیر آپ کیوں
کرتے ہیں آباد و دوزخ کو حضور ق

چھپڑ کر واعطو کو حالی خستہ سے

بستر کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

نامح قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ
کیوں زباںِ ندوں کی کھلواتے ہیں آپ
چڑھ کے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ
جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ
اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
خلد کو دیران کر و اتے ہیں آپ

ت

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت
زیرِ برقع تو نے کیا دکھلادیا
ہٹ پہ اسکی اور پس جاتے ہیں دل
سردیا گل آنکھ میں پیچھے نہیں
چور تعازِ زخموں میں اور کہتا تھا آخر
آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
وہل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
جان نثاری پر وہ بول اُسٹھری
ہم نے ہر ادنیٰ کو اُسی کو دیا
کر دیا چپ واقعاتِ دہرنے
گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؟

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو

راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
کس سے بیانِ وفا باندھ رہی ہے بیل
سہمِ غم روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل
اپنی جیبوں سے رہیں سائےِ نازی ہنسیار
دیکھیے شیخِ مصور سے کچھ یا نہ کچھ
نہ وہ دیوار کی صورت ہی نہ در کی صورت
کل نہ پہچان سکے گی گلِ ترکی صورت
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
صورت۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتش و دوزخ سے جہاں کو تم نے
 یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت
 کیا خبر زاد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
 اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسہ زر کی صورت
 میں بچا تیر حوادث سے نشانہ بن کر
 آڑے آئی برے تسلیم سپر کی صورت
 شوق میں اُس کے مزا در میں اُسکے لذت
 ناچو اُس سے نہیں کوئی غفر کی صورت
 حلقہ اپنے پہ بھی اک بعد ہر میت ہی ضرور
 رہ گئی ہے ہی اک فتح و خضر کی صورت
 رہناؤں کے گھبے جاتے ہیں اوسان خطا
 راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
 یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ ٹیرا سوبا
 پر ڈرائی ہے بہت آج بھڑور کی صورت

اُن کو حاکمی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے جہاں
 دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ ہربانی کی صورت
 پہ چھیتی نہیں سرگرائی کی صورت
 جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل
 وہ ہے اور ہی ہربانی کی صورت
 شب وعدہ ہو بار عام اُن کے در پر
 مرے حق میں ک پاسبانی کی صورت
 غم دل نے رسوا کیا ہم کو آخر
 بنائی بہت شادمانی کی صورت
 ہو اس ریش پر وسمہ کیا خوب کھلتا
 ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
 یقین ہو کہ تم جس کو سمجھے ہیں مرنا
 یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت
 سمجھ کر گرفتار حالی کو دیکھو

مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے آچاٹ دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ

پنج رہتی ہے کان میں یاں لے دی
 اور معنی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ
 ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت
 اور دریا بہت چکلا ہے پاٹ
 اک کہانی پسیمہ زن کی رہ گئی
 راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ
 دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں
 ہے مگرایاں جی کچھ اوزار ہڈاٹ
 جو کہے تجھ کو بناویں اسے ہمیں
 ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
 نہیں رستوں کی ہیں سب ہیر پھیر
 سب جہازوں کا ہی لنگر ایک گھاٹ
 برقی منڈلاتی ہے اب کس حسینہ پر
 ٹڈیاں کب کی گئیں گھٹیسی کو پاٹ
 تیغ میں برش یہ اسے حالی نہیں
 جس قدر تیری زباں کرتی ہکاٹ

چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہوں کون

شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے پاٹ

ش

باپ کا ہے جب ہی پسروارث
 ہو ہنر کا بھی اس کے گرد وارث
 گھر ہنر و کا نا خلف نے لیا
 تیرا ہے کون اسے ہنر وارث
 فاقہ ہو کہاں سے میت کی
 لے گئے دھوکے سیم و زوارث
 ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ
 کریں میراث سے مذر وارث
 خاک و دگرمان گورو خویش تبار
 ایک میت اور اس قدر وارث
 داغ و دین کا حشد احاطہ
 انبیا کے ہوتم اگر وارث
 قوم بے پر ہے دین بے کس ہی
 گئے اسلام کے کدھر وارث
 ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف
 جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی

کیوں ہیں میت پر نومہ گر وارث

دل جلوں کو تو نے گرما یا عیش	بھید و اعظا اپنا کھلوا یا عیش
رات بھر باروں کو چڑا یا عیش	جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
سب کو لزم تو نے ٹھیرا یا عیش	شیخ زندوں میں بھی کچھ پاکباز
آپ نے مال اپنا پیلا یا عیش	کوئی بچھی آکے اب چھتا نہیں
تو نے زاہد ہم کو شرما یا عیش	آنکھتے تھے کبھی محب میں ہم
ابرہے گھر کو ادھر آ یا عیش	کھیتیاں جل کر ہوئیں یارو کی خاک

ج

بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج	بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
بات بگڑی بنی بنائی آج	چُپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج	شکوہ کرنے کی خونہ تھی اپنی
خوب بھر بھر کے خم بندھائی آج	بزم ساتی نے دی الٹ ساری
نفس اور شرع میں لڑائی آج	معصیت پر ہے دیو سے یارب
دیکھنی ہے تری حسدانی آج	غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع
نیند پھر رات بھر نہ آئی آج	چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو
کر لو کرنی ہے جو کمائی آج	کل یہاں کاروبار ہیں سب بند

زور سے آفت کی بج کے چلنا تھا

مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں کے ہیں سب تنکوہ رخ
 یہ بھی ہاں رو کوئی رنجوں میں رنج
 رنج و شادیوں کے ہیں سب ثبات
 اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج
 تھا قناعت میں نہاں رنج فراغ
 پر ہیں بے وقت ہفتہ آیا یہ رنج
 فکر دین بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ
 ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج
 ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
 جب کبھی جیتے تھے ہم لے بڑھنا
 آگئی مرگ طبعی ہم کو یاد
 شاخ سے دیکھا جو خود گزرتا رنج

راہ اب سیدھی ہی حالی سوئے دست

ہو چکے طے سب خم و تیج و رشک رنج

چ

بزم مے اچھی ہے - گو دنیا ہے اے یہ مخوار بیچ

یہاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھریا بیچ

نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش

ایک دشمن بر سر کیس ہو تو ہیں سب یار بیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز

ہے یہ سب ادنیٰ دکان اور رونق بازار بیچ

شاہد معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں

بتجہ و تجاہد، بیچ اور جب سرد و ستار بیچ

ہو کر جے جس قدر اتنے برستے تم نہیں

اے نصیحوں ہے یہ سب گفتار بے کردار بیچ

خوانِ نعت نے ترے اسے عاملِ مردارِ خوار

کر دیے آفاق کے سب خوان و خواں سالارِ بیچ
ہے ادبِ مسند پہ جو کچھ ہے زمیں شہر کا

ہٹ کے مند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکارِ بیچ
گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے بیچ ہے

کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار بیچ

ح

کاٹے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزلِ دنیا میں ہیں پادِ رکاب آٹھوں پہر

رہتے ہیں جہاں سرا میں میہانوں کی طرح

سچی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیا نے نہیں

بھیلے ہیں سختوں کو سخت جانوں کی طرح

رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانِ روا

نفس پر رکھتے ہیں کُڑا حکمرانوں کی طرح

شادمانی میں گزرتے اپنے آپ سے نہیں

غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح

رکھتے ہیں ہمیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا

رہتے ہیں چو پُجال پیرِ ی میں جوانوں کی طرح

پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی

پر بھلا سکتے ہیں ایک ایک کایگانوں کی طرح
آس گھسیٹی کے پنپنے کی اُنھیں ہو یا نہ ہو

ہیں اُسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
اُن کے غصے میں ہے دل سوزی ملامت میں پیار

مہربانی کرتے ہیں تا مہربانوں کی طرح
کام سے کام اپنے اُن کو - گو ہو عالم نکتہ میں

رہتے ہیں بتیں دانتوں میں زبانوں کی طرح
طعن سن سن محقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح
کچے کیا حالی - نہ کچے سادگی گر اختیار

بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مے مفاں کا ہے چپکا اگر برا سے شیخ
تو ایسی ہی کوئی چاٹ اورٹ لگا لے شیخ

ریا کو صدق سے ہے جام مے بدل دیتا
تمہیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا سے شیخ

وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر
تماشے دیکھے ہیں یہ ہنسنے بارہا سے شیخ

غروب فقر و غروب غنا میں فرق ہے کیا
تجلی یہ رکھتے ہیں ہم منحصر تا اسے شیخ

زباں پہ ہوتی ہی مہر ان کی جو ہیں محرم راز
پھر ایسا کیجو ہرگز نہ اذعیا سے شیخ

خبر بھی ہی نہیں کیا بن رہی ہی بیڑے پر قطع
ہیں پ جوئے بیڑے کے ناخدا اسے شیخ

وہ ڈوبتوں سے الگ ہوتے ہیں ہیں تیرا ک
 کو زن و گورہیں بچپن سے تارک دنیا
 شادی کا یہی گڑبہ ہے میرا اے شیخ
 نہایت آپ کی ہی انکی ابتدا اے شیخ
 کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
 پہ غافقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہی فقیری غنا کے بعد
 ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور
 اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا بھاگے بعد
 ہوئی ہی عافیت کی توقع بلا کے بعد
 تیرا غم عشق ہے بے صرفہ محنت
 برٹھائی اور ذوق گنہیاں سزا کے بعد
 گرد و دل سے پائی بھی لے چارہ گرفتار
 آتی ہو دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
 یاد خدا میں جب نہ گئی دل سے اس کی یاد
 آگے خدا کا نام ہے نامح خدا کے بعد
 کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم
 آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ ہر
 ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
 تیرا بھی حکم نہیں حکم قصص کے بعد
 بدت سے معنی دعا کہ ہوں بدنام شہر
 بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد
 حالی کی سن لو اور صدائیں جب گراں
 دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

ہیں خوف اور کہیں غالب ہی رہا اے زاہد
 درگزر نہیں کرتا تو گنہگاروں سے
 تیرا قبلہ ہے جدا میرا جدا اے زاہد
 تو ترا اور کوئی ہو گا خدا اے زاہد
 ہم دکھا دیں گے کہ زہاد اور ہی نیکی کچھ اور
 کچھ بہت دور نہیں روز جزا اے زاہد
 قرب حق کے لیے کچھ سوز نہاں بھی ضرور
 خشک نفلوں میں مہر کیا ہی بھلا اے زاہد

میں تو سوار ملوں دل نہیں ملتا تم سے تو ہی کہہ اسیں ہی کیا میری خطا لے زاہد
 جال جیتک ہی یہ پھیلا ہوا دینداری کا ٹکڑا دیا کا کرے تیری بلا اسے زاہد
 عیب حالی کے بہت آج کیے تو نے بیاں
 ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اسے زاہد

د

پایاں تیری لچے ساغر سے لذیذ بلکہ جام آب کو شر سے لذیذ
 جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لیے کونسی نعمت ہی خنجر سے لذیذ
 لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب ہم کو ہی سب شہدِ شکر سے لذیذ
 قند سے شیریں تری پہلی نگاہ دوسری قند کمر سے لذیذ
 جھانچہ میں جس بھوک کی بھولے نہ تو بھوک ہی وہ شیر مادر سے لذیذ
 ہی یہ تجھ میں کس کی بوباس لے صبا بوسے بید و مشک و غیر سے لذیذ
 جو قناعت کے ہیں حالی یہاں آن کو فاقے ہیں نزعِ عمر سے لذیذ

س

ہے یہ نگہ تری عطاؤں پر وہی اصرار ہے خطاؤں پر
 رہیں نا آشنا زمانہ سے حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
 رہد و باخبر رہو کہ گماں رہزنی کا ہے رہناؤں پر
 ہی وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا مرے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
 اُسکے کوچ میں ہی وہ بے پرواں اُڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
 شہسواروں پہ بند ہے جوراہ وقت ہی یانِ برہنہ پاؤں پر

ہیں منعم کو اس کی بوند نصیب مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
ہیں عدد و بخششیں تیری زاہدوں پر نہ پار ساؤں پر
حق سے درخواست عفو کی حالی
یکجہ کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پر ہیز گار عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اسکے ہیں نہ اسکے آشنا گو بظاہر سبک ہیں شیر و شکر
خصلتیں دباہ کی رکھتے ہیں ہم گو دکھاتے آپ کو میں شیر نہ
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین کرتے ہیں نفرت بدی سے جھگڑ
کرتی پڑتی ہو کسی کی مدح جب کرتے ہیں تفسیر اکثر فحصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم کرتے ہیں سوا اسے دل کھول کر
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی شکر کے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک بخش میں بھلا دیتے ہیں ہم ہوں کسی کے ہم یہ لاکھ احساں گر
عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو جس سے ہوں اپنے سوا سب بخیر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں کیونچہ کہلاتے ہیں اس کو سوائے شر
بننے میں یاروں کے صلح تاکہ ہو عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر
دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست ایسے یاروں سے حذر یار و حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہو کون
خواہش محسوس ہے حضرت کو مگر

ہوئی نہ قدر جان کی ستر ہاں کیے بغیر
گو ہو شفا سے یاں یہ جینک ہو دم میں م
بگڑی ہوئی بہت ہی کچھ اس باغ کی ہوا
آبادہ دہر پر وہ دری پر ہے قوم کی
غرت سے اپنی یادوں کو کچھ آٹری ہو مند
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام
گو ہے تند و تیز یہ ساقی ہے دلربا
تخیر جو کہ کرتے ہیں ابتائے دقت کی

دام انھیں گئے نہ جنس کے اڑناں کیے بغیر
بن آئے گی نہ درد کا درماں کیے بغیر
یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کیے بغیر
میر وں کو رہے گا نہ عریاں کیے بغیر
چھوڑیں گے نیماں کو نہ بیجاں کیے بغیر
مشکل کو ہم ٹھیں گے نہ آساں کیے بغیر
اے شیخ بن بڑے گی نہ کچھ ہاں کیے بغیر
چھوڑے گا دقت انھیں نہ مٹلاں کیے بغیر

حالی کئے گا کٹنے ہی سے یہ بے توں

مل ہوئی مشکلیں نہ یہ آساں کیے بغیر

لے

گھر ہے دشت خیز اور بستی آجاڑ
آج تک قصر اہل ہے نامتام
ہے پہنچا اپنا چوٹی تک محال
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے
عید اور نوروز ہے سبیل کے ساتھ
کعبت رستے پر ہے اور رہ دو سوار
بات داغ کی کوئی بگڑی گئی

ہوئی اک اک گھڑی تھہ بن پہاڑ
بندہ چکی ہے بارہا کھل کھل کے پار
اے طلب نکلا بہت ادبنا پہاڑ
پر نہیں زاہد کوئی ٹٹئی کی آڑ
سو شبستاں میں اگر روشن ہیں بھاڑ
دل نہیں حاضر تو دنیا ہے آجاڑ
کشت ہے سر سبز اور نیچی ہے باڑ
ان دنوں کم تر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالی کھول کر اپنی زباں کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہدِ مالِ دل نے بھلایا نہیں ہنوز
عالمِ مریِ نظر میں سایا نہیں ہنوز
پیغامِ دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز
جھوٹا نسیمِ مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزلِ مقصود میں کہیں
ہم جسکو ڈھونڈتے ہیں پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہو گا اُس کو تغافل میں کچھ مزا
ذوقِ نگاہِ ہم نے تجایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طورِ جہل چمکا
اُس نے نقابِ رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز
یاں دے چکی جوابِ امید جوابِ خط
داں نامہ برنے یا رہی پایا نہیں ہنوز
پایا ہے ذوقِ و شوق میں ہم کو بھرا ہوا
کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعدِ مرگ بھی جاتی نہ تیری یا
بھولے ہیں کہ تجھکو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایہِ خلافتِ دو عالم ہے رازِ دل
باتوں میں ہم نے نہہر ٹایا نہیں ہنوز
کس نشہ میں ہے چورِ خدا جانے اس قدر

حالی نے جامِ منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
دوستِ دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہی نظر بازوں کی
دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رسم کو نصیحت یہ تھی
زویں تیر صفِ فرنگ کی نہ جانا ہرگز
چاہتِ اکِ طلعتِ مگر وہ ہی برج میں نہاں
کسی دلالہ کے دھوکہ میں نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر حسرت سے
تو جوانی میں نہ یہ روگ لگاتا ہرگز
جیتے جیتے تھے تھے ہو گئے ویراں لے عشق
آکے ویرانوں میں اب گھر نہا ہرگز

کوچ ب کر گئے دلی سے ترے قدر شناس
 تذکرہ دہلی مرحوم کالے دوست نہ چھوڑ
 داستان گل کی خزاں میں نہ سنا ہے بلبل
 ڈھونڈ تھا ہر دل شوریدہ بہانے مطرب
 عجبتیں اگلی مصور ہیں یاد آئیں گی
 موجزن دل میں ہیں یاں غن کے دریا خیم
 لپٹے داغ آئینکا سینہ پہ بہت لے سیاح
 پیچھے چپے پہ ہیں یاں گوہر کیتا خاک
 مٹ گئے تیرے ثنائیکے نشان بھی اب تو
 وہ تو بھولے تھے ہیں ہم بھی انھیں بھول گئے
 جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا بھیجیں
 ہم کو گر تو نے رلایا تو رلایا اسے چرخ
 یا خود روئیں گے کیا ان پہ جہاں دتا ہی
 آخری دور میں بھی جکو قسم ہے ساقی
 بخت سونے ہیں بہت جاگ کے ای دور زبا
 یا نہ رخصت ہو سویرے کیل و عیش و نشاط
 کبھی لے علم ہنر گھر تھا مقارادلی
 شاعری مری کی اب زندہ نہ ہوگی یار و
 غالب شفیقتہ و تیر و آرزو و ذوق

قدریاں رہ کے اب اپنی نہ گوانا ہرگز
 نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
 ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
 دروانگی نہ غزل کوئی نہ گگانا ہرگز
 کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چڑانا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
 دفن ہو گا کہیں اتنا جتنا نہ ہرگز
 لے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
 ہم پیغمبروں کو تو ظالم ہنسانا ہرگز
 آگلی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
 نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کہ کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز
 اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز

مومن و علوی و صہبائی یمنون کے بعد
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
 کہ دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
 وہ نہیاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
 داغ و محروم کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
 نہ سنے گا کوئی بے بس کا ترانا ہرگز
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر زبر
 اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبا نا ہرگز
 بزمِ ماتم تو نہیں۔ بزمِ سخن ہے حلی
 یاں مناسب نہیں رُور کے رُلانا ہرگز

بخش و التفات و ناز و نیاز
 ہم نے دیکھے بہت نشیب و فراز
 عشق کی آج آس میں پاتا ہوں
 دلِ دراد کھتا ہوں بس کا گداز
 شیخ! اللہ ری تیری عیاری
 کس توجہ سے پڑھ رہا ہے ناز
 اک پستے کی جو ہم نے کدی آج
 رنگ و اعظا کا کر گیا پرواز
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
 تو گئی بھول ہم کو خاکِ حجاز
 آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے
 گر معنی کی ہے یہی آواز
 خیر باد لے فلک کہ چار طرف قطعہ چل رہی ہیں ہوا میں کچھ ناساز
 رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا
 ۲ ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
 ہوتے جاتے ہیں زورِ منہ ضعیف
 ۳ بیٹے جاتے ہیں مُستذل متناز
 چلتے پھرتے ہیں کبک و تہو سے
 ۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہتھوں کو رہ گزریں خطر
 ۵ رہ زلوں نے کیئے ہیں ہاتھ دراز

۱۵ یہ قطعہ اُس وقت لکھا گیا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سر دیہ اتنی مگر داد

روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر مدد پہنچا۔ ۱۲

۶۔ ٹڈیوں کا سہہ گیتوں پہ ہجوم
 ۷۔ ناٹواؤں پہ گدہ ہیں منڈلاتے ، گھٹاؤں پر ہیں ہنیر تیسرا انداز
 ۸۔ تشنہ خوں میں بھوکے شیروں کے
 ۹۔ دشمنوں کے ہیں دست و پاسوں اور یاروں کے یار ہیں غار
 ۱۰۔ ہو گا انجم دیکھئے کیا کچھ ہے پُر آشوب جبکہ یہ آغاز
 ۱۱۔ سائے ابھی تک کھٹی نہیں لیکن غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
 ۱۲۔ دقت نازک ہے اپنے پیڑے پر موج ہائل ہے اور ہوا ناساز
 ۱۳۔ یا تھپیڑے ہوا کے بے ابھرے یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
 ۱۴۔ کام آسے اپنے سونپ و حالی نہیں جس کا شریک اور انباز
 ۱۵۔ ہودہ مالک ڈوبے خواہ تراکے چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کسند صید غفراں اپنے پاس
 عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکشر در گداز
 عجز اپنا ہے کلید بابِ رضاں اپنے پاس
 ہو گئی گر پٹھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس

بام بتلا یا بلند اور نارسا بخشی کند
 رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ بُراں اپنے پاس
 خاک میں ہم نے ملا رکھی ہے اکیر اپنی آب
 در نہ ہے ہر درد کا موجود درماں اپنے پاس
 دست برد اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے بھدا اللہ وہ تہر سیمائیں اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دستاویز استخفافِ رحاں اپنے پاس

چھیڑا بزلے تصورِ مرگان یار بس کافی ہے خار - خار غم روزگار بس
 یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بنا سکے غم خواری اپنی پہننے دے لے غلغار بس
 ہر داعِ فصلِ گل کی نشانی ہے لے صبا گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس
 ڈہریوں کے ساتھ امیدیں بھی پس جائیں لے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس
 دیں غیرِ دشمنی کا ہمساری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
 آتا نہیں لظن کہ ہو یہ رات آبِ بحر کی نیند کیوں حرام بس اسے انتظار بس

تھوڑی ہے رات اور کہانی بہت بڑی

حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو ہم بسرِ ایام ہے درپیش بنا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش
 غفلت ہے کہ گھیرے لئے ہی چار طرے سے اور معرکہ گردشِ ایام ہے درپیش

وہ دن گئے جب تمامِ مرضِ ضعیف کا آغاز
اب اس مرضِ ضعیف کا انجام ہی درپیش
گو صبح بھی ملتی روزِ مصیبت کی قیامت
پر صبح تو جوں کی کٹی اب شام ہی درپیش
وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زورِ دل پہ جب اپنا
اب وقتِ خارِ غم نے گلِ فام ہی درپیش
امیدِ شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہی درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زہار
ظاہر ہو کہ حالی کو کوئی کام ہی درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی غصہ عینِ غصہ خاص
ہر مرض کو اس میں جیسے دوائیں خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زوالِ دنیا سے۔ مگر
زہنِ دل ہل ہی بھی اسکی ادائیں خاص
گوزمانہ نے بے لادائی دل سے اپنے فصلِ گل
یاد ہیں لیکن وہ تہلیل کی صدائیں خاص
زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں عینِ مستجاب
وقت ہیں کچھ خاص میں دہلے ایسے خاص
یونہی ہے امید سب کچھ۔ پر نہ ہوں شاید معاف

وہ جو کہ ہیں ہم نے لے لی حالی خطائیں خاص

دردِ اور درد کی ہی سبکے دوا ایک ہی شخص
یاں ہے جلا دے میاں بخدا ایک ہی شخص
حور و غلام کے لیے لائیں دلِ آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عہدہ برا ایک ہی شخص
قافلے گزریں وہاں کیونکہ سلامت و اعطاف
ہو جہاں دامنِ اور راہ بنا ایک ہی شخص
تیس سا پھر کوئی آٹھانہ بنی عامر میں
غیر ہوتا ہی گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
جکھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے آنکھوں نے
آج دیا کوئی نہ ہم کو دکھا ایک ہی شخص
گرمیں برکت ہی گرفتیں ہے جاری شبِ روز
کچھ مہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالی یہ پتھر
شاعر ایسا ہی خدائی میں ہی کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
دل میں ہے لے خضر گرم صدق طلب
چرخ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
راہ رو کو رہ نموں سے کیا غرض
ما جو ہے ہم کو گمراہ لے سے کام
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو
اُن کو جنگ دار غنوں سے کیا غرض
ہم کو تفتیش و ردوں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخم دل سے بھر
آن کو اپنے اشکب نگوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب زائد عبت
شیر کو صید زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب یہ رخ تنخیر قلوب
اب لے دنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالی پے تسلیم یاں

آپ کو چون و چگون سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
چاہیے ایک سب کا ہو مقصود
گو ہوں سب کی جدا جدا اعراض
کجو دینے ایک کے لئے سب امراض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے
اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
دیکھے تو بھی خوش ہی بانا خوش
کل ناس دانست عینی دامن
لا آ بالی پان یعا بئی
اپنا مطلب وراثتہ سو اعراض
مغمو بدل خمیر ہیں یہ دیر

حق میں اپنوں کے سخت مسک ہیں جو کہ اوروں کے حق میں ہیں نہیں
 رائے ہے کچھ علیل سی تیسری نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض
 دغظ میں گل کرتے ہیں واعظ نمٹے میں ان کے زباں ہر مایہ قراض
 ہے فیہوں میں اور ہم میں نزع ہل لٹا، فی نزاع من قاض
 ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد غار کش تجھ سے ہے سوا مراض
 شیخ کی مٹی یہ آحسری تفتس چاہیے زرقاؤس سے کرا عراض

ایسی غنڈلیں سنی نہ تھیں حالی
 یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گدڑی ہو چکا دو برنشاط طے ہوئی بس اب کئی دم میں بساط
 دل سے خوشیاں ہو گئیں بگ شہ گیر نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب لے لے لے فقیر ہے کے ہیں ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
 غنچہ چمکا اور آہ بھی خنزاں فصل گل کی مٹی فقط اتنی بساط
 زینت ممبر ہے لغزش کی جگہ جانو واعظ اسے راہ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ ہم کریں پینے میں پھر کیوں احتیاط
 کوچ کی حالی کرو تیاریاں
 ہے قوی میں دم بدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہیں حرفیوں میں احوال واعظ بُرا کہہ نہ رندوں کو زنا واعظ

سدا تہر ہی قبر ہے عاصیوں پر نہ ستار ہے تو نہ غفار واعظ
 نکل آئیگی سے کشی کی بھی حلت کوئی بل گیا گر ہمیں یار واعظ
 کوئی بات بھی نہیں تجھ میں لیکن سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار واعظ
 ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں ظن یہ جتہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
 نہ چھوڑے گا زور گھر و نیش زور تو یہی ہے اگر حسن گفتار واعظ
 مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
 ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے بہار زندگانی الوداع اے شباب اے شادمانی الوداع
 اے بیاض صبح پسری السلام اے شب قدر جو انی الوداع
 اسلام اے قاصد ملک بقا الوداع اے عمر فانی الوداع
 روزگار ضعف و سستی القلاء وقت سعی و جانفشانی الوداع
 فرصت عشق و جوئی الفراق قطعہ دُور عیش و کامرانی الوداع
 تجھ کو سمجھے تھے نفیم جاوداں ۲ اے نفیم جاودانی الوداع
 آگاہی کنارے پر جہاز
 الوداع اے زندگانی الوداع

ع

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک ناز دیکھ اس حسدِ اِمِ ناز پہ اتنا نہ کرد واعظ
 ہوتا کہ میں عقاب تو شبہا زنگھات میں حملے سے یاں اجل کے نہیں ایک دم فراغ

یار بنگارہ بد سے چمن کو بچا یوں
دو چار گام نقش قدم دل کے رہ گئے
آئیں پیڑہ شوق سے جواہلِ ظرف ہیں
جنگل میں تختہ لگی خود رو کو دیکھ کر
بلبل بہت ہو دیکھ کے پھولوں کو باغِ بارغ
آگے چلا نہ آہوئے منگیں کا کچھ سُرائِغ
ساتی ہرے کھڑا ہے مئے لعل سے ایغ
تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالی بھی بڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب انکی آئی کہ گل ہو گئے سُپرائِغ

ف

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم
زادہ وہم تو تھے ہی آلودہ
اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
نہرِ روشنِ نظم نہ آیا صاف
صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی
بہید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق
کرے گا کیا ترا کھل الجواہر اے کمال
مکانِ عاریتی اور لباسِ بوسیدہ
غروہِ روحیں ہیں زورِ عروسِ دنیا کے
نہ اپنا کلیہ احزاں ہے یار کے لائق
ہیں یہ آنکھ ہی ویدار یار کے لائق
بہت ہے زندگیِ مستعار کے لائق
بناؤ تھے ہی اس نایکا کے لائق
رہا نہ باغِ قندوم بہار کے لائق
کرے گی بادِ بہار آ کے اب کسے سرسبز

بس اب ہے فضلہ روباہ و گرگ پر گزران
گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی
یہ ہم نے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ
رہا نہ شیر زبیاں خود شکار کے لائق
ہمارے جرم ہوں گرا عذار کے لائق
تھیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لائق
مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

ل

دلوں کا کھوٹ اگر کیسے بر ملا ایک ایک
سلطنتی کو وہاں قافلوں کی روٹھیں
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر
رہا ہوں رند بھی لے شیخ پار سا بھی میں
دفا کی ایک جھٹی سے اُمید ہے اُس وقت
چھپا کے اُس کی تصویر اپنے ہم بہت شہر کا
ہوا نہ ایک بھی حق اُس کی بندگی کا ادا
امیر حاج کی ہمت میں گر نہ آئے تصور
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو
بہار نے بھی نہ بیل تری بھجائی آگ

تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
جہاں ہے راہزن خلق رہنا ایک ایک
بنا ہے غوثِ زمان جکل گدا ایک ایک
مری نگاہ میں ہو رند چار سا ایک ایک
کہ یار یار سے ہو جا بیگا جدا ایک ایک
جب آپ مٹھ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
کیا ہی جس نے حق خواجگی ادا ایک ایک
تو موج بحر ہے کشتی کی ناخدا ایک ایک
درق جب اس کا اڑا لیگی ہو ایک ایک
جگر کے پار ہی اب بھی تری نوا ایک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی پھر خراش جہاں
رہیگی حالی دلیگیر کی صدا ایک ایک

س

عالم آزاد گاں ہوا کہ جہاں سب سے الگ
ہی زمین کی اور ان کا آسمان سب سے الگ

پاک ہیں لاشوں میں۔ بند شوئیں بے لگاؤ
دوست کے ہیں جان نثار اپنا ہوا بیگانہ ہو
سب کی سن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
جانچتے اوروں کو ہیں خودے کے اپنا امتحان
کلبہ احزاں ہی روشن آن کا جس ہتھاب سے
سیکڑوں پھند و نیس یاں جکڑا ہوا ہی بند بند
شاعروں کے ہیں سب نڈاز سخن دیکھے لکھے

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہی حالی نے دکان سب الگ

صلح ہے اک مہلت سامان جنگ
عہد گیتی پر نہ بھولیں کامراں
علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا
رو کیے بد خو کو بد خوئی سے کیوں
زہد و طاعت پر جو اذی کی نہ جاؤ
پاکبازوں کو نہیں کچھ قسید وضع
کام کا شاید زمانہ ہو چکا
وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل
کا ہشوں سے پرورش پاتی ہی روح
عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ

کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تغنگ
آہستہ اس کی آشتی لائے کی رنگ
سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں جنگ
آپ اپنی خوش سے آجائے گاتنگ
یہ بھی ہے اک فوجوانی کی ترنگ
جو ہیں اچھے اُن پہ سب کھیلے ہیں رنگ
دل میں لے مٹی نہیں کوئی ترنگ
دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے رنگ
اب لگا کھایا پیسا سب آکے انگ
ہے ابھی کم حاصل ایفون و رنگ

بڑو گیا ہے جسم انسانی بہت ہوگی ایجاد اب نئی توپ اور فنگ
 قوم کو حالی نہیں اس اتفاق
 پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہم پہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل
 رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثار غفلت
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
 کب تک آخر بغیر سکتا ہے وہ گھر
 ناؤ ڈوبے یا کہیں کیسوا ہو پاوے
 اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی
 دیکھئے بھٹا ہے کینک پاس وضع
 کوششوں میں کچھ مزہ آتا نہیں
 یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
 اور ابھی ہونا ہے شاید بتدل
 دور نہ ہو کر گئے لاکھوں سنبھل
 آگیا بنیادیں جس کی حائل
 تیری مدد ہی ہے کچھ لے طول مل
 لاپکے پودے بہت انگلوں سے پھل
 ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
 وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سوز حالی کے فوجے عمر بھر

ہو چکا ہنگامہ مدح و عنزل

مدرسہ میں ہر کے دو برتن جیسے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عیشہ پہ ہر کفر کے لوٹ
 تجبتیں اہل ذریعہ کی سب گئیں نظروں سے گر
 آٹھ بیس بیس ہی کو لے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 زلّ دنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم
 بزم رندانیں یونہی لکڑیاں بیٹھے تھے ہم

شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
 ورنہ دھوکا۔ دور سے دیکھ اسکو کھائیٹھے تھے ہم
 ہم نہ تھے آگاہ و اعزاز شت غنی سے تری
 آدمی تجھ کو سمجھ کہ پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
 ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اٹھائیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دنیا ہی پتیا ئی نہ حالی ورنہ یاں
 دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
 خوف کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں کہہ سکتے باز
 گرچہ دست پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 دل میں درد عشق نے مدت سی کر رکھا ہے گھر
 پر آسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم
 ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں ہی
 جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم
 ہیں ان دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 گو کسی کو آپ سے ہوسنے نہیں وسیعے خفا
 اک جہاں سے آپ کو لیکن خفا پاتے ہیں ہم
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے ہر دفا
 اپنے میں گزشتہ مہر و وفا پاتے ہیں ہم
 بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
 گر کبھی توفیق ایثار و عطا پاتے ہیں ہم
 ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
 درد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
 کٹیرے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے
 حال نفس و دل کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم
 جسد جھک جھک کے ملے ہیں بزرگ و خود سے
 کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم
 گو بھلائی کر کے مجھنوں سے خوش ہوتا ہی جی
 تہ نشیں اُس میں مگر درو یا پاتے ہیں ہم

ہے رہا اے نیک نامی دوش پر اپنے مگر
 راہ کے طالب ہیں پرے راہ پڑے ہیں تم
 داغ رسوائی کے کچھ زیرِ داپاتے ہیں ہم
 دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم
 نور کے ہمنے گلے دیکھے ہیں لے حالی مگر

رنگ کچھ تیری لالپوں میں سوا پاتے ہیں ہم
 آگے بڑھے نہ قصہ عشق تباہ سے ہم
 سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازِ داں سے ہم
 اب بھاگتے ہیں سایہ عشق تباہ سے ہم
 کچھ دل ہی میں لے ہوئے کچھ سماں سے ہم
 خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہیں
 آئے ہیں کج آپ میں یارب کہاں سے ہم
 درودِ فراق و رشکِ عدو تک گراں نہیں
 تنگ آگئے ہیں اپنے دلِ شاداں سے ہم
 جنت میں تو نہیں اگر لے زخمِ تیغِ عشق
 بدلیں گے تجھ کو زندگیِ جاوِ داں سے ہم
 لینے دو بین کوئی دم لے مسکرو نکیر
 لائے ہیں آگے گریہ بے اختیار پر
 سٹے ہیں آج چھوٹ کے قید گراں سے ہم
 ہنسنے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر
 کچھ پاگئے ہیں آپ کی طرزیوں سے ہم
 اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
 سٹے ہیں جا کے دیکھئے کب گراواں سے ہم
 دکش ہر ایک قطعہ صحر ہے راہ میں

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ

پوچھیں گے جا کے حالی جادو بیاں سے ہم

ن

یاؤں کو بچھ سے حالی اب سرگراںیاں ہیں
 نیندیں اچاٹ دیتی تیسری کہانیاں ہیں
 یاد اسکی دل سے دھوئے لے چشمِ تر تو مانوں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیسری دوانیاں ہیں
 بننے ہیں غیر اپنے ہوتے ہی رام وحشی
 الفت کی بھی جہاں میں کیا مکرانیاں ہیں

غیبت ہو یا حقد رُئی دونوں بری ہیں تیری
کہتے ہیں جسکو جنت دہ اک جھلک ہے تیری
رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دوا ہے
ہوگا تو پہلے ہوگا اسے چرخ مہربان
اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
روتے ہیں چارہم پر ہنستے ہیں چارہم پر
ہر کلم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش
خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
دیکھا نہیں ابھی کچھ قحط الرحبال تم نے
کھیتوں کو بے لوبانی اب بہ رہی ہے لنگا
فضل دہنہر بڑوں کے گرتم میں ہوں جا میں

رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی

یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک ماں ہیں

اب نہ نہیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہیں

کچھ روزوں غفلت میں بھرے یہاں دھونڈھتے ہم آسائش کو

کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلیبان ہیں

جل کے نئی اک چال فلک نے کھو دی ہے ہوش حریفوں کے

زد سے بچیں یا مات قبولیں استے نہیں اوسان ہیں

پاس اٹھیں گرا پنا ذرا ہو - جان اپنی بھی آنپہ خدا ہو
 کرتے ہیں خود نامتفقیان اور کہتے ہیں نامسلمان ہیں
 داد و طلب سب بغیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
 بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ پہچان ہمیں
 صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
 دیکھ کے اس کو سارے مٹھارے آگئے یاد احسان ہمیں
 یاں تو بدولت زندہ و دیر کے بھگئی خاصی عزت سے
 بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
 سرسختی وہی اور تال وہی پڑا گئی کچھ بے وقت سی تھی
 نعل تو بہت یاروں نے چایا پڑ گئے اکشر بان ہمیں
 غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
 بس کوئی دن کا اب حالی یہاں سمجھو تم جہان ہمیں

کی توہیں ہنسنے بھی حالی کو چرخ کی تیاریاں
 خواب احتیث نہ لذت کیے ای میری نہیں
 میں اگر بیدار دیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
 کی کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادیار کی
 زینت بے عقولوں کو ہو جائے بسر کرنی محال
 بے مزہ ہوا ہل دیں کی ترش روئی بھی اگر
 طبیعت سے گئے سب شے فاسد نکل
 سو جھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
 جو جوانی میں فراہم تھیں شب بیداریاں
 ناگواران سے ہوا غیروں کی ہیں تحواریاں
 سب کے کرنی ہوئی پوری اپنی اپنی باریاں
 اتنی بھی لے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
 اس سے پھکی اہل دنیا کی ہیں ظاہر داریاں
 کم ہونیں حالی نہ لیکن نفس کی ہشیاریاں

آج ہم شہر میں خوں اپنا ہر کرتے ہیں
 جنتی جنتی ہیں سب ہم سے حذر کرتے ہیں
 جب کہ ہم اپنے جبرائیم پہ نظر کرتے ہیں
 بول تو ال کے جود میں اثر کرتے ہیں
 یاد اشد کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
 در نہ یاں عیب سب فرد بشر کرتے ہیں
 دل دکھاتے ہیں ہی جہیں کہ گھر کرتے ہیں
 اک لگاؤ میں ادھر سے وہ ادھر کرتے ہیں
 یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
 یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
 بس ہماری ہی طرح وہ بھی بسر کرتے ہیں

راز دل کی سب بازار خبر کرتے ہیں
 عقل کی بات کوئی نہیں کہی ہے شاید
 جرم خالق سے سوا پارتے ہیں بسر مہمنا
 کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ
 زہد و طاعت کا سہارا نہیں جیسے واعظ
 عیب یہ ہے کہ کرو عیب ہنر و کھلاؤ
 غمزد و رنج و مصیبت یہ کرو ناز کہ وہ
 جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی رک جاتا ہی
 ایک یہاں بیٹے سے بیزار ہیں ہیں یارب
 تلخیاں زلیست کی تھوڑی سی ہی ہیں باتی
 قیصر و زار کا یاں بیٹ تو بھر نامعلوم

کیس اظفار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

رختے بھکیں گے سیکڑوں اس میں
 اور اک لیں بلا دیا بس میں
 چشم انسان : چشم نرگس میں
 بے عمل علم ہیں : ہمارے میں
 اب دھرا کیا ہی ایسے داس میں
 یقین ہیں جو ہنر میں فاس میں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
 کی نصیحت بری طرح ناصح
 ہو نہ مینا تو مسرت پھر کیا ہے
 بے قدم دم ہیں خائف ہوں میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ چسپ
 نہ ہو بیضے میں جب غار فرس

جس سے نفرت ہی اہل نعمت کو وہی نفرت ہے جہنمِ مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان در و قیوڑا بہت نہ ہو جس میں
جانور - آدمی - فرشتہ - خدا آدمی کی ہنس سیکڑوں میں
آج کل جہنمِ صلع جو ہے بہت دیکھے ہو تجاڑ کس کس میں

کی ہے غلوت پسند حالی نے

اب نہ دیکھو گے اُس کو مجلس میں

بواہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں ہیں مئے نابکے دلال - قلع خوار نہیں
شہر میں اُن کے نہیں جن دفا کی بکری بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے یہ خریدار نہیں
کون سے وہ گل رعنا پہ نوا سخ نہیں کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہیں
لجی لیلی پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا اور چہرہ دیکھو تو دو نور سے سرور کا نہیں
اُنہیں نہیں سکتی سزا جرم و فاقی اُن سے دل بھنسا کر کہیں بنے وہ گنہ گار نہیں
عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ اور چہرہ کیل کا گھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
رنت نیازِ اُلٹے چکھنے کا ہے لپکا اُن کو در بدر جھانکتے پھرنے سے نہیں عار نہیں
بواہوس کام طلب بندہ نفس لہل ہوئی ایک عالم ہی اسکا رنگ میں دو چار نہیں
دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے اُن میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوں میں

کہہ دو اللہ کہ صادق نہیں زہار نہیں

بھونکا ہوا فضل گل نے صو ر آ کے پھر جن میں اک خشر سا ہے بریا قمر غارِ نغمہ زن میں
بیل کے آگ سے کچھ تن میں لگ رہی ہے بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں

پولے نہیں سماتے غنچے جو پیر میں
 قدرت کا دیکھ جلوہ سحرین و شترن میں
 پڑنی ہی جان باقی بس سرود نار دن میں
 جنگل بسا ہوا ہے سب عطر یا سمن میں
 بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 فصل خزاں کا قصہ ذکر گل و سمن میں
 پر تازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 تھے سنا بھی؟ اُس پر کیا گذری انجمن میں
 روندن میں ہو وہ مہکین پھولا تھا جو چمن میں
 تھی سہناک کل تک جو شیر کے بدن میں
 ہوا ب بجائے حکمت خاک اڑ رہی یمن میں
 ہی کال موتیوں کا اب سرسبز عدن میں
 زندہ اولس کوئی باقی نہیں قرن میں
 فص بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
 جو اب کے تو نے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
 گویا امیر لشکر مارا گیا ہے دن میں
 لٹنے کی قافلہ کے پہنچی خبر دطن میں

باد صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا
 چپ ہے زبان سوسن حیران ہنچم نرگس
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 ہے عید اہل اسلام یا موسم بہاراں
 سنہ سے دھواں سا اٹھا لیٹے ہی نام اسلام
 پھر زخم پھوٹا بکلا حالی نہ چھیٹے نا تھا
 گور دیکھے میں دکھڑا سو بار قوم کا ہم
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدر انجمن تھی
 پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اسے جا
 روبرو کی جون میں ہر عوہ لب ہ ملت
 وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستندین کی
 وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے
 قبر او پس پر ہے بس خراب قرن کو
 اس بانع کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑادی
 ڈالی نہ ہو گی آگے اسے دود پر خورشید
 فوج اور پیر دونوں پھرتی ہیں بے سری ہی
 خرد و نرگس سارے ہیں بدحواس گویا

لہ یمن کی نسبت حدیث میں آیا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَلْحِکْمَۃَ یٰمٰنِیَۃً یعنی ایمان ہو تو یمن کا ہے اور حکمت
 ہو تو یمن کی ہے۔ اسی پر میر تقی میر نے اپنے ملففہ کا نام حکمت یمانیہ رکھا ہے۔ ۱۶

بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہر نوکی چوکر ہی سب جائیں کہ ہر کہ ہر سوؤں لگا رہی ہیں
حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاباقتی مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوک زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا

ترکش میں ہی یہ پکیاں یا ہی زباں دہن میں

ہے جھو کہ خوب سے ہی خوب تر کہاں اب ٹھیرتی ہے دیکھے جا کر نظر کہاں ق
ہیں دُور جامِ اول شرب میں خمی ہوئی ہے آج دیکھے ہم کو سحر کہاں
یار اب اس اختلاط کا انجام ہو تجسید تھا اُس کو ہم سے ربط گراں قدر کہاں
اک عمر چاہتے کہ گوارا ہو نیش عشق رکھی ہے آج لذت زخمِ بگر کہاں
بس ہو چکا بیاں کسل در بچ راہ کا خط کا مرے جواب پڑے نامہ بر کہاں
کون درمکاں سے ہوں دلِ حشی کنارہ گیر اس غاناں خرابی ڈھونڈا ہے گھر کہاں
ہم جس پر مر رہے ہیں وہ ہی بات ہی کچھ اور عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوئی نہیں قبولِ دعا ترکِ عشق کی دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں
حالی نشاطِ نعمتِ دے ڈھونڈھے ہوا ب

آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پایہ نہ جام بے کدورت بزمِ دورا میں خزاں کو لے گئے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں ق
انہیں کچھ مختصر لبیک زلف پریشاں میں جو دل چاہے تو اچھے ایک غبارِ دودِ بچاں
اگر چھوڑا کندہ جذبہ عشق زلیخا نے ندر ہمنے دیکھا حسنِ خود نما یوسف کو کنگا میں
تھوڑے بھلا یا تیرے ذوقِ شادی و غم کو نہ کچھ کلفت ہی زندان میں کچھ راحتِ تبتا میں

خوشی میں بھی نہیں ہنا خوش آنا ایک طالت پر
زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کام دل لے خضر
نہ چھوڑی تجھ سے یا اسے ناکام عاشق کو
نکل و نرس کیا فرقت میں جی نکت جھوٹے بابا کو
بہشت ن چاہیں شیف کو تاپہنچے زینخانک

نہ دی حیرت نے حالی فرصت سیر جہاں اکدم

بہتے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیا بیاں میں

ق

اسبادہ انگلا سا التفات نہیں جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
جنگو تم سے یہ اعتماد و وفا تم کو مجھ سے پر التفات نہیں
برج کیا کیا ہیں ایک جاں کے ساتھ زندگی موت ہے حیات نہیں
یونہی گزرے تو سہل ہے لیکن فرصت غم کو بھی ثبات نہیں
کوئی دل سوز ہو تو کیجئے بیاں ہر سری دل کی واردات نہیں
ذرا ذرا ہے منظر خورشید جاگ اٹھے آنکھ دن ہر رات نہیں

فتیں ہو کوہ کن ہو یا حالی

عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

ق

کچھ مہنتی کھیل سنبھلنا غم ہجر میں نہیں چاک دل میں ہر مرے جو کہ گریباں میں نہیں
کھو دیا یا س نے ذوقِ فطرت فکر وصال باک مرا تھا سو وہ اک وادش پنہاں میں نہیں

لے یعنی تم جیسے آدمی پر ۱۲

ہم نے کی سیر چمن غور سے لے بلبل زار
عشق نے مصر میں سو بار زیلخا سے کہا
محبوب صدق و صفایاں ہی انھیں گے دم نہک
یاں بھی ہو کون و مکان سے دل خوشی آدا
غیرتے غیرتے دل پہنی ٹھہر جاسے گا
کس طرح اسکی نگاہ کو بناوٹ سمجھوں
دی ہو دعا عطا نے کن آداب کی تکلیف پوچھ
آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
بے قراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ

بات چبھتی ہوئی کوئی گل دریاں میں نہیں
فتنہ دہر ہے جو حسن و کفایاں میں نہیں
مصلحت برائی محبت رنداں میں نہیں
جس کو ہم قید سمجھتے ہیں وہ رنداں میں نہیں
بات جو آج ہے وہ کل غم بھراں میں نہیں
خط میں لکھا ہی وہ القاب جو عنوان میں نہیں
ایسے الجھاؤ تر سے کا کل پچاں میں نہیں
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں
اب وہ اگلی سی درازی شب بھراں میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہ باز

یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
خوبروی کے لئے رشتی جو بھی ہے ضرور
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
کل خرابات میں ایک گوشہ سے آتی تھا
حق ہوا جس سے ادا اس کی وفا داری کا
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کو ہنسی راہ

شادی وصل بھی عاشق کو سناوار نہیں
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرح دار نہیں
ہم کو سچا لفظ آتما کوئی اقرار نہیں
دل میں سب کچھ ہی مگر نصیب گفتا نہیں
جس کے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سر و کار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلع ثانی سن کر
جو نقلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ بتا مستنزل مقصود کا پایا ہم نے
چشم بد و بہریت پھرتے میں اغیار کیساتھ
ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
ماتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
اصل مقصود کا ہر چہ نہیں ملتا ہے پتا
اک قیامت ہی ترے ہاتھ میں تلوار نہیں
جب یہ جانا کہ ہیں طاقت رفتار نہیں
غیرت عشق سے اب تک وہ خبر دار نہیں
بشا اللہ کہ باہم کوئی ٹکرا نہیں
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عا نہیں
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بتی حالی
سخت مشکل ہی کہ وہ قابل اظہار نہیں

دشت میں تمنا خیال گل و یاسمن کہاں
سے بندگی کے ساتھ یہاں ذوق دید بھی
اہل طہریں جس کو سمجھتے ہیں زاد راہ
فصل خزاں کیس میں ہے مٹا دگھات میں
لاتا ہے دل کو دہد میں اک حرف آشنا
جی ڈھونڈھتا ہے بزم طرب میں انھیں مگر
دل ہو گیا ہے لذت غربت سے آشنا
کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپ کے
دکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر

باتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

فتن میں جی نہیں لگتا کسی طرح لگا دو آگ کوئی آشتیاں میں
 کوئی دن بواہوس بھی شاد ہو لیں دھر کیا ہے اشاراتِ نہاں میں
 کہیں انجہام آپہنچا وقت کا گھلا جاتا ہوں ایکے امتحاں میں
 نیا ہے لیجئے جب نام اس کا بہت دعت ہی میری داستاں میں
 دل پر درد سے کچھ کام لوں گا اگر فرصت ملی جسکو جہاں میں
 بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
 ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو
 نہ چھیڑوں تذکرہ دہل عدد کا اگر سمیع مبارک پر گراں ہو
 تقاضائے محبت ہے وگرنہ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
 بہت بے قدر ہوں غفل میں تیری کہیں ناخواندہ تو بھی یہاں ہو
 مجھے ڈالا ہے سودہم و گماں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
 کر خون پر ہمارے باندھ رکھے جسے سنی ہماری داستاں ہو

موت ہے بہت حالی ترا د عطا

کل اُسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

مکتب ہے پیر غماں کا کہ جوانی نہ گنواؤ خیر کفارہ عصیاں ہے پیر اور پلاؤ
 دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہے یہ دل وہ امیدیں ہیں نہ اراں ہ انگلیں ہیں چاؤ
 یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیب کو غیر تو تو اچھا ہے مگر تیرے بُرے ہیں برتاؤ

دوست ہوں جسکے ہزاروں ہاکی کا نہیں دو
تو ہی برق جہاں سوز ہے بن خواہ نہ بن
ایک ہی دوست اور اس سے ہیں چھوٹے ہو
ہو گیا ذکر قیامت تو اجسیرن و اعظا
تجکوارے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
ہنچ اے خضر کہ ہے وقت مدد گاری کا
دیکھیں کس طرح نہ سر سبز ہو پھر کشت امید
لے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت ہو یک
خانے ساتھ کے چاہئے حرم کے لگ بھگ
آس کے نالوں نے کیا نرم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

۴

درفیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
ہراک کو نہیں لٹی یاں بھیک زاہد
کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا
یہ طبل ہتی ہیں جو بنگار رتے ہیں
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہے افسردہ مجلس کی خرت سے داغ
تم اپنی سی کہتے تھے جو کہہ پھلے سب
فقر و کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
بہت جانچ لیتے ہیں۔ دیئے ہیں تب کچھ
ہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ
جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ
ہنسہ کام آیا نہ علم و ادب کچھ
وہ گرمائے گا یہ پسچیں گے جب کچھ
ہیں ناسمجھ تم پہ الزام اب کچھ

یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت سولہ تو بیچ اور دیکھو تو سب کچھ

کوئی نقد چرب تا کا ہے شاید
یہ حالی کی عزت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی
کرد و دستو پہلے آپ اپنی عزت
بکا لونہ رخنے نسب میں کسی کے
کرد و علم سے اکتاب شرافت
فراغت سے دنیا میں م بھرنہ بیٹھو
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے
مصیبت کا ایک اک سے احوال نہا
کرد و ذکر کم اپنی داد و مدح کا
پھر آدموں کی تکتے پھر و گے سخاوت
کہیں دست تم سے نہ ہو جائیں ظن
جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
نہیں چھپے عیب اتنی ثروت سے ترے
ہی الفت بھی دشت بھی دنیا سے لازم
فرشتہ سے بہتر ہی انسان بنا

مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
نماہت سے ہی یہ شرافت زیادہ
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
نہیں لگی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت سے ہی یہ مصیبت زیادہ
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
جو دولت ہو گئے ہیں نفرت زیادہ
خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
گر اس میں بڑتی ہے محنت زیادہ

بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں پہ دیکھا تو مئی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر نہیں بس آپ لے عقل ہمت زیادہ

غزل میں رنگت نہیں تیری حالی

الائیں نہ بس آپ دھڑپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ
وفا اغیار کی اغیار سے سن مری الفت درو دیوار سے پوچھ
ہماری آہ بے تاثیر کا حال کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری کندگیسویں غم دار سے پوچھ
دل ہجر سے سن لذتِ وصل نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ
نہیں جز گریہ عنسمِ جاہلِ عشق ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
نہیں آپ بقا جز جلوہٴ دوست کسی لبِ شبنم دیدار سے پوچھ
فریب وعدہٴ دل دار کی قدر شہیدِ خنجر انکار سے پوچھ
فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل یہ نکتہٴ عندلیب زار سے پوچھ
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ

مناع بے بہا ہے شعرِ حالی

مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو تو بدگسانی وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُن کی مہربانی
بے جرم کوئی آخر تک سُنے طامت ناصح سے ہم کو اپنی کہنی پڑی کہانی

عاشق کے دل کو ٹھنڈک تیری آگ میں ہو
دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی
نہیں وصل سے ہے کچھ جی چھڑائے دیتا
جو کچھ سنا ہے ہم نے مشاطہ کی زبانی
ہر کلم پر ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
صبر و سکون سے ہم کو یہ بھی بیٹھنے دے
تھوڑی سی رہ گئی ہے لے کا ہش بہانی
پھر یہ بناتے ہستی ہے تیرے بعد دیراں
ہو تو بھی اب غنیمت لے ضعف و ناتوانی
دیکھا جاں باباں آنکھوں نے اور دل نے
کیا جانے کس اداسے کی اس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر بہ نہ ہو گئے حالی

جلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

کہہ کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیار سے
گرے نہیں نے زہری کا جام بکاسے
جو کچھ ہو سو ہو اس کے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے
دلا لہ نے امید دلائی تو ہے لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے
ہو وصل تو تقدیر کے ہاتھ لے شہ خباں
یاں ہیں تو فقط تیری تجت کے ہیں پیاسے
پیاسے سے سرگشتہ ہیں بجا راہ طلب میں
در گذرے دواسے تو بھر دوسہ پہ دوا کے
ہوٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے
ایک در وہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
در گذریں دعا سے بھی دعا ہی یہ خدا سے
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے
نرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان عطا سے

جب وقت پڑے پیچھے دسک در دل پر

جھکے فقرا سے نہ جھکے امرا سے

نیک تیری میں ہی جھگڑا کہ مین کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
 دم سے یوسف کے بیتِ بادشاہِ یعقوب کا گھر
 مطمئن اس سے مسلمان نہ سچی نہ یہود
 واعظ اک عیب سے تو پاک ہی یا ذاتِ خدا
 آج کچھ اور دونوں سے ہی سوا استغراق
 آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر
 عشقِ آدمِ عقلِ آدمِ دھن میں چلے ہیں تیرا
 شانِ دیکھی نہیں گرتے چمن میں اُس کی
 مرو کس کا ہی بدخشان و خشن کس کا ہی
 چرخ کھتا تھا کہ یہ بیتِ حزن کس کا ہی
 دوست کیا جانیے یہ چرخ کھن کس کا ہی
 در نہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہی
 عزمِ تسخیر پھر اسے شیخِ زمیں کس کا ہی
 تم میں دپ لے گلِ دسرنِ دمن کس کا ہی
 رستہ اب دیکھئے دونوں میں کھن کس کا ہی
 ولولہ تجھ میں یہ اسے مرغِ چمن کس کا ہی

ہیں نصاحت میں نسلِ واعظ و حسالیِ دو نو

دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں ملتی جاتی ہی
 عجب نہیں کہ ہے نیک بد میں کچھ نہ تمیز
 سپاہِ و میر سپہِ باغِ باغ ہیں بسکین
 کہا جو میں نے فنا کرتے آئے ہیں احباب
 قلعے انھیں نہیں گرد و ستون سے چھٹنے کا
 بہت سے کھوئے غلبانِ میزانی نے
 ہوئے ہیں بارِ امانت سے تیرے عاجز
 اڑے گی خاکِ تقدس کی آبِ سرِ بازار
 ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہی
 کہ جو بدی ہو وہ سا پنے میں بدلتی جاتی ہی
 بہیرِ روتی ہو اور ہاتھ ملتی جاتی ہی
 کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہی
 طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ بدلتی جاتی ہی
 ضرورت ایک کے بعد ایک ملتی جاتی ہی
 زمیں بھی اپنے خزانے اٹھتی جاتی ہی
 فقیہ و شیخ میں جوئی اچھلتی جاتی ہی

لے ہیر: فوجی چھاؤنی کے وہ لوگ جو بے سلسلہ تجارت وہاں رہتے ہوں۔

نہ خوف کرنے سے جتنا نہ اب ہی کچھ حالی

کچھ اک جھپک جی سودہ بھی بھٹی جاتی ہے

برئی اور بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی تو نہیں پار اتر جائے گی

مٹے گمانہ بچھیں کو گل کا پست ہر ایک بٹکھری یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

ادھر ایک ہم اور زمانہ ادھر یہ بازی تو سوسوے ہر جائے گی

بنادٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہی عمر ساری گزر جائے گی

نیں گے نہ حالی کی کب تک مدا

یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی کہ آنکے دیکھنے والے بھی کچھ لوگ ہیں باقی

نہیں مالی ضرر سے دینیوں کی لوٹ بھی لیکن حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہی علمی و اخلاقی

نہ گل چھوڑے نہ برگ بار چھوڑے تو نہ گلشن ہیا یہ پھینپی ہو یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی

مال کفش و ذری علم اخلاطوں سے بہتر ہے یہ وہ نکتہ ہی سمجھے جس کو مثنیٰ نہ اشراقی

یہی دانائی آخر غالب آکر پہلوانی پر گئے ہیں بان سب چینی دروغانی و قجاقی

ہمارے طرف ہی انعام کے قابل نہیں نہ لندھائے غم پر غم غیروں پر کوئی کھو کر ساقی

مراج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی

لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی

اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تیسرے
آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مڑی
جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے
دوست گر بھائی نہ ہو دوست ہی تو بھی لیکن
اسے غم دوست بھی پر نہیں اپنی گذران
دل غمی رکھتے ہیں لے دولت دنیا جو لوگ
عقل ہی۔ اپنی حاکمت کے چھپانے کی نہیں
عقل اور حق پر جن کے بھری مجلس ہو گواہ
ملنے دیگی نہ اہل تم سے ہیں جی بھسر کر
فرصت لے دوستوں دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ یہ رہے مردوں سے بدتر حالی

دیکھ لی ہم نے طبیبوں کی مسحائی۔ بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہر ریائی
برائی ہی رندوں میں بھی شیخ لیکن
گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جبا
رکا ہاتھ جب بن گئے پار ساتم
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے
جو کہیے تو جھوٹی جو سینے تو پستی
بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
کہاں یہ برائی کہاں وہ برائی
عبادت میں کیوں جان ناحق کھائی
نہیں پار سائی یہ ہے نار سائی
سو اس کے منعم میں ہے کیا برائی
خوشا بد بھی ہم نے عجب چیز پائی

لے سنی عثم دنیا و عثم زن و عثم زندہ و غیرہ ۱۲۔

لے اپنے دائم المریض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔

ہوئی آکے پیری میں خستہ جوانی سمجھ ہم کو آئی پہ نادرِ وقت آئی
دہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پرست وہ پرست کو بھی کہ دکھاتا ہے رائی
جوانی میں عاشق تھا اب ہم ہننا صبح جو ماں دل پہ لی تھی تو یاں مٹھ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی

نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

دل کا اُس کے دل زارِ تمنائی ہے نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
قطع اُمید نے دل کر دیے یکسو صد شکر شکلِ مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
قوتِ دستِ خدائی ہے مشکِ بانی میں وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سوا پنا ڈر ہے ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سوزِ کھائی ہے
نشہ میں چور نہ ہوں جھانچھ میں محو نہ ہوں پندیر پر خرابات نے مسرمائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی بعدِ مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی اور انگلیاں اٹھیں سب کی

سچ میں حالی کوئی رسوائی سہی رسوائی ہو

اتنی ہی دشوار اپنے حیرت کی پہچان ہے جس قدر کہ فی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں راہ اگر کچھ جان ہے
دیکھ لے ٹیل ڈرا گھٹن کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آن کر کانٹے میں بھی ارشاد ہے
عقلِ پیلی پر نہ سہمی حرصِ دآزبان کی لے نہ اب نامِ آدمیت کا اگر انسان ہے
چیتھوں میں اتحاد اور رکھوں میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمنِ خدا کی مشان ہے
تجدِ حجت لے شمع ہی کس برقی عالم سوزگی جانِ دل سے بچھپ پڑا نہ جو یوں بیان ہے

دل میں حالی کے لیے باقی مذہب ارمان کچھ

جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی رہ گیا کیا ہے اب اسے گبر و مسلمان باقی

بزمِ دعوت میں سائی ہوئی اپنی اُس وقت میزبانِ جب نہ رہا کوئی نہ ہماں باقی

حق ادا رک نگہِ لطف کا ہو گا کیوں کر دل و دین سے چکے اور ہی ابھی احساں باقی

ظاہر و باہمی الفت کا نہیں چارہ پذیر در نہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی دماں باقی

تو نہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق

ابھی کرنے ہیں بہت کچھ کے سا باں باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ میں دنیا پر لبِ ثقیف کیے نفس کہتا ہے ابھی چندے تو قف کیے

واں رسائی ہی صبا کی اور نہ قاصد کو ہی بار اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارت کیے

ضبط کیجئے دردِ دل تو ضبط کی طاقت نہیں اور کھلا جاتا ہی رازِ دل اگر اُت کیے

دوست کی تو رہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے بے تکلفِ طبع ہم سے یا تکلف کیے

جبکہ غیبی مل گئی دنیا کی پھر سہل الوصول جیسے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیے

تو بہ حضرت کی یو نہیں اک دودھ کا سا بآل

ہم دکھا دیں گے ذرا دم بھر تو قف کیجئے

منکرِ فزا کی گلے پر گئی عادت کیسی جان کو ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی

حبیبِ خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم حشران جتنی قسمت میں ہو تکلف انھیں راحت کیسی

یہی کافلت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا وہ تو آفت بھی ہمارے لیے آفت کیسی

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان قیدِ ہستی میں مری جان منہ اغت کیسی

عیب جوئی سے نہیں غفلت کی دم بھر فانیع
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری اے دنیا
جاننا ہے وہی۔ دل پر ہی گذرتی جس کے
ہم نے اول سے پڑھی ہی یہ کتاب آخر تک
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
دجی بھی کام نہیں کرتی نفعیت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجہام

یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر قن آسانی مری
تھنا نہ محتاج سبب عفو کریم
غلام میں بھی گرد ہی یاد اسکی زلفت
ہے لباس جسم تک جھجھ پر گراں
ماریغ گلگشت ہے ہم حنراں
قدہ نعمت ہے بقدر انتظار
کفر سے بدتر مسلمان مری
کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
کم نہ ہو شاید پریشانی مری
دور جا پہنچی ہر عسریانی مری
موت کرتی ہے نگہبانی مری
خضر پر ہنری ہے ہمائی مری

خندہ زن ہے اس مسلمان پہ کفر

جیسی ہے حالی مسلمان مری

پڑے بہت سے وصل میں بھی دریاں ہے
کیا کیا ہیں لیں یکھئے ارماں بھرے ہوئے
جراں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتہ اُمید
پوچھی گئی نہ بات کہیں پرس و وضع کی
شکوے وہ سب سنا کیے اور مہرباں ہے
ہم میرباں نہیں جو کوئی مہرباں ہے
اب تک تو ہم جہاں بہت شاداں ہے
اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں ہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسرہ دل بہت

انکے سے دلوں وہ اب اس میں کہاں ہے

کل مدّعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے بات اسکی کاٹتے رہے اور ہنر باں رہے
یار ان تیرے کام نے محل کو حبالیا ہم مجھ نالہ جس کا رداں رہے
یا کینچ لائے دیر سے رندوں کو اہل عفا یا آپ بھی ملازم پیر مغاں رہے
دہل درام سے بھی ہماری بھی نہ پیاں ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیجاں رہے
مل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کار و سیاہ تم مدّعی کے گھر گئے اور میہاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر بلا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہائے نہاں ہے

حق و فاس کے جو ہم جتا سنے لگے آپ کچھ کہہ کے مسکرا سنے لگے
تھا یہاں دل میں طعن و صلِ عدو عذر ان کی زباں پہ آنے لگے
ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں وہ اگر ہمت آ زمانے لگے
ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
جان بچی لظن نہیں آتی غیر اذیت بہت جتانے لگے
تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا ہم اگر درد دل سنانے لگے
سخت شکل ہے شیوہ تسلیم ہم بھی آخر کو جی جراتے لگے
جی میں ہے لوں فاس کے پیر مغاں قافلے پھر حرم کو جانے لگے
سہرِ باطن کو فاش کر یا رب اہل ظاہر بہت ستانے لگے
وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر ہم بھی سیٹھ تھے جبہ جانے لگے

شتر تک یاں دل شکبا چاہیے کب میں دلبر سے دیکھا چاہیے
 سبے تجلی بھی نقاب روئے یار اُس کو کن آنکھوں سی دیکھا چاہیے
 غیر ممکن ہے نہ ہوتا شیرِ نعم حالِ دل پھر اُس کو لکھا چاہیے
 ہی دل افکاروں کی دلزاری ضرور گر نہیں اُلفتِ دُرا چاہیے
 ہی کچھ اک باقی خاشا اُمید کی یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے
 دوستوں کی بھی نہ ہو پردہ احسے بے نیازی اُس کی دیکھا چاہیے
 بھاگئے ہیں آپ کے اندازِ دناز کیجیے اغماض جتنا چاہیے
 شیخ ہے اُن کی نگہ جادو بھری صحبتِ رنداں سے سچنا چاہیے

لگ گئی چُپِ حالی رنجور کو

حال اس کا کس سے پوچھا چاہیے

جنوں کا رُسدا ہوا چاہتا ہے قدمِ دشتِ پیمیا ہوا چاہتا ہے
 دمِ گرہ کس کا تصور ہے دل میں کہ اشکِ اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے
 خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے
 بہت کام لینے تھے جس دل سے ہوگو وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے
 ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
 مجھ بکل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت کوئی پورا وعدہ ہوا چاہتا ہے
 خردوں تر ہے کچھ اُن فوںِ وقِ عصیاں دُورِ رحمتِ اَب دا ہوا چاہتا ہے
 قلنِ گرہی ہے تو را زہبانی کوئی دن میں رُسوا ہوا چاہتا ہے
 بہت چین سے دن گذرتے ہیں حالی کوئی فتنہ بر پا ہوا چاہتا ہے

تس جس کو غصے میں لگا دیا در ہے آج دل لیگا اگر کل نہ لیا یاد رہے
 شوق بڑھتا گیا جوں کے اس شوخ سے ہم یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے
 ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر نہو برتاؤ میں جو رسم کو کیا یاد رہے
 یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر یہ کچھ اس بھلائی کا ہے انجام برا یاد رہے
 شیخیاں شرم گئے شوق بھلا دیتا ہے توبہ انکی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے
 دادی عشق میں موسیٰ کا ہو گئے رخصت دید ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عطا یاد رہے
 خضر نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا بھول جائیں گے رہ آب بقا یاد رہے
 دل بُری طرح لگا عشقِ تباہ میں اسے شیخ دیں پڑ پائیں اگر آب کے خدا یاد رہے
 چارہ گر بار بار اندازہ تدبیر نہیں کچھ ہمت اگر وقت دُعا یاد رہے

ابھی بانا نہیں حالی سے کہ کیا چیز ہیں وہ

حضرت اس لطف کا پائیں گے فرایا در ہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
 انسوں شبِصال کے والے گاہیں نہاے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے
 ایدل اب زمانتیں تقدیر کا ہی وقت وہ امتحان ہر ششِ شمیر کر چکے
 کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہی ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
 بھولے ہے تصورِ مرگاہ میں چند روز دیکھا تو دل کو ہم ہفت تیر کر چکے
 جاں لب کل نظار میں آئی ہی بار بار مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے
 دل یکے ایک میرا یہ فارغ ہوئے ہیں گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے
 حالی اب پُیر دی مغربی کریں بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ داں پریش نہ یاں تاب سخن ہے محبت ہے کہ دل میں موج زن ہے
 بہت لگتا ہی دل محبت میں اُس کی وہ اپنی ذات سی اک انجن ہے
 بنا و شا سے نہیں خالی کوئی بات مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے
 عدد سے بات محفل میں نہ کرنی جو سچ پوچھو تو جائے سو غن ہے
 بہت دل ہیں ترے عاشق کو درکار مری جو بات ہی وہ دل شکن ہے
 دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے
 کہوں تجھ سے بیاں کچھ درِ غربت مگر جو شش سخن تھر دین ہے
 رہے لاہور میں آکر سو جانے یہی دنیا ہے جو دارِ الحن ہے
 نہیں آئی کہیں یاں بوسے یوسف مگر جو گھر ہے وہ بیتِ الحزن ہے
 نہ کچھ بخون کو ہے پردائے لیلیٰ نہ کچھ شیریں کو دردِ کوہ کن ہے
 تجھے تنہا نہ سمجھیں اہل لاہور تصور میں مرے اک انجن ہے
 مری غلوت میں ہے ہنگامہ بزم غموشی میں مری ذوقِ سخن ہے
 بتاؤں تمکو ہوں کس باغ کا پھول؟ جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
 بتاؤں تمکو ہوں کس مصر کی بو؟ جہاں غربتِ وطن پر تہ زن ہے

لے یہ غزل تقریباً ۱۲۹۵ء میں جب کہ اول ہی اول بہ قریب ملازمت دئی چھوڑ کر لاہور آیا تھا
 اُس وقت اول تو دئی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دو ہرے لاہور میں جان پہچان نہ تھی
 وہاں پہنچے ہی ہنایت سخت دیا آئی اور وہاں ہر فیض کے بعد مدت تک جھپک اور بخار کا زور شور
 رہا۔ آخر کار رات میں بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی اور ہراسیگی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ
 اشعار لکھے گئے۔ ۱۲

مدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی
مگر یاد عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے شے کا جنت میں بھی آرام
یہی گر جذبہ تہیہ وطن ہے
گریں نظروں سے سب باتیں پرانی
مگر آفت کہ اک رسم کہن ہے
بجلا حالی اور آفت سے ہو خالی
یہ سب تم صاحبوں کا حسن ظن ہے

کیا تو اس نے کہتے ہیں سخن ترک

مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

دھوم تھی اپنی پار سائی کی
کیوں بڑھاتے ہوا احتلاط بہت
ہم کو طاقت نہیں جہدائی کی
تم کو عادت ہے خود نمائی کی
متم کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے
صلح میں جھپٹ رہے لڑائی کی
لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں
ہم سے باتیں کرو صفائی کی
سلطے غیروں سے ہو ملو لیکن
دل رہا پائے بند آفتِ دام
دل بھی پہلوں ہو تو یاں کس سے
دیکھے امید دل زبانی کی
شہر و دریا سے باغ و محراب سے
یہ نہیں آئی آشنائی کی
نہ ملا کوئی عنایت ایساں
رہ گئی شہم پار سائی کی
بخت ہداستانی شیدا
تو نے آخر کو نار سائی کی

۱۲۰ یہ غزل بھی لاہور میں اس وقت لکھی گئی تھی جبکہ غزل سباق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار میں اس
امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۲۰ شیدا سے مراد منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب ہوی
ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے۔ ۱۲۰

محبّت گاہ گاہی رشتگی
 موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے
 تو نے بھی ہم سے بے وفائی کی
 ساعت آپہنچی اس جدائی کی
 زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
 انتہا ہے یہ بے حیائی کی

ق کر دیا خوگر جھٹا تو نے
 خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
 دور پہنچی تھی اپنی آزادی
 پر خدا جانے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئیے یاں دہ لے ہمد
 بس سنائیں نے اور کہا تو نے
 گوش لب ساتھ لائے تھے ہم آج
 نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت بُرا انجام
 ہنکو سمجھا ہی دل میں کیا تو نے
 ابتداءے وفا ہے سر دینا
 میری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے قاصد بنا کے وعدہ وصل
 اور کھویا رہا سہا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا لے رنگ
 ہم کو کس سے خفا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

ق کر کے بیمار دی دوا تو نے
 جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہرو تشنہ لب نہ گھیرانا
 اب لیا چشمہ بفتا تو نے
 شیخ جب دل ہی دیر میں نہ لگا
 آکے مسجد سے کیا لیا تو نے
 دور ہوئے دل مال اندیش
 کھو دیا عمر کا مزا تو نے

۱۵ رشتگی آنریل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے - ۱۲ -

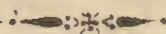
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ کیا کیا چشم آشنا تو نے
 دل دہیں کھو کے آئے تھے سوائے دہیں یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے
 خوش ہے امید حقلہ پر حالی
 کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے درد دل کو دوا کیا تو نے
 طبع انسان کو سرشتِ وفا خاک کو کیمیا کیا تو نے
 وصلِ جاناں محال ٹھہرایا قبل عاشقِ روا کیا تو نے
 تھکانہ جز غمِ باطل عاشق میں غم کو راحت فرا کیا تو نے
 جان بقی اک وبالِ فرقت میں شوق کو جاں گز کیا تو نے
 مقلی محبت میں ننگِ منتِ غیر قطعہ جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
 راہِ زاهد کو جب کہیں نہ ملی درے خانہ داکا کیا تو نے
 قطع ہونے ہی جب لگا پیوند غمیر کو آشنا کیا تو نے
 مقلی جہاں کا رداں کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے
 ناؤ بھر کر جہاں ڈوبی تھی عقل کو نا خدا کیا تو نے
 بڑھ گئی جب پدر کو مہر سپر اس کو اُس سے جدا کیا تو نے
 جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
 جب ملی کامِ جاں کو لذتِ درد درد کو بے دوا کیا تو نے

لے اس شعر میں پدر و سپر کا اشارہ حضرت یعقوب دیوسف علیہ السلام کی طرف اور اگلے شعر
 میں بادشاہ سے مراد ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۱۲

جب دیارِ اہل کو ذوقِ طلب سعی کو نارسا کیا تو نے
 پردہ چشم تھے حجابِ بہت حسن کو خود نما کیا تو نے
 عشق کو تابِ انتظار نہ تھی غنہ ایک دل میں داکیا تو نے
 حسد آباد اور دیرِ خراب جو کیا سب بجا کیا تو نے
 سخت افسردہ طبع تھے احباب ہم کو جادو نوا کیا تو نے
 پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
 حالی اٹھ ہلاکے محفل کو
 آخر اپنا کہا کیا تو نے



زباعتیات

توحید

کانٹا ہی ہر اک جگر میں اکٹا تیرا طلق ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجکو - جانا ہی ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہی کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں ہی جب جہاز چکر کھاتا جب قافلہ وادی میں ہی سر ٹکراتا
اباب کا آسرا ہی جب اٹھ جاتا داں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جیسا ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجکو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوچھی کوئی راہ خورشید کا شش بہت میں پیدا جب نور

توحید

جب مایوسی دلوں پہ بچھا جاتی ہو دشمن سے بھی نام تیرا چھوڑتی ہے
مکن ہو کہ نگہ میں بھول جائیں اطفال لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

بہی سے - ہوا سے آتش و آب سیریاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں اسی طرح نہال

ایضاً

بہی سے ہے تیری رنگ بوسب کے لیے طاعت میں ہی تیری - آبر و سب کے لیے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لیے ہیں اور تو سب کے لیے

ایضاً

کیا ہوگی دیں تجھ پہ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہو ایک دل جو کہ ہوشاد
بر - جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں ہر ایک سچ و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے جو تجہید کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کا سا بھی کوئی توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بظاہر عرب کو محترم تو نے کیا اور آیتوں کو خیر احم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و قسار چھڑے ہوئے کلمہ کو ہی تو نے کیا

۱۲۰ یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بقا بلداں کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے کان کم مین ہے ۱۲۰

نعت

بظا کو ہوا تیری دلا دت سے شرف
یتر ب کو ملا تیری اتامت سے شرف
اولاد ہی کو خسر نہیں کچھ بچھ پر
آبا کو بھی ہی تیری ابوت سے شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے سید کریں
شر بے چین اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترک شعر عاشقانہ

بُٹل کی چین میں ہم زبانی چھوڑی
بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جبکہ دل زندہ توئے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل

خوش بہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح
ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل - ان کے ہیں ظرف اُنکے - جو کرتے ہیں تیر
ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور پدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت
ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود ایک بدی ہی گر ہو نہ خلوص
نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دوز بہت

امتحان کا وقت

لاہ کہتا تھا جان بے دیں پر قربان
پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کیسی اب کیا ہی صلاح
فرمایا کہ "بھائی جان جی ہے تو جہان"

عشق

ہے عشق طیب دل کے پیاروں کا
یا گھر ہے وہ خود ہزارہ آزادوں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ اتنی ہے خبر
اک شغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرایو یہ اسے فرزند
ایک آدمہ ادا ان کی اگر ہونہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں
ہوں اُس میں اگر گلے ٹرے دلنے چند

دوستوں سے بیجا توقع

مازیت دہ جو نقش ہو ہوم رہے
جو طالب دوستان معصوم رہے
صواب سے بات بات پر جو بگڑے
صحبت کی دہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانی دوستوں
گر دن پہ نہ لوعقل خدا داد کا خون

خود عہد شباب اک جنوں ہی اب تم کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں

غور سب غیبوں سے بدتر ہے

مکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور
پر غیب سے پیچھے تا بمقدور ضرور
غیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہیں انکے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں ہم
ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار
بس اُسنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرط قبول

مکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کہیں
پر قدر کہیں نفسیر جو ہر کے نہیں
غیر کو نہ لیں مفت یہ امکاں ہی مگر
غیر کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگرم

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہل عرفان یقین
پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہوں نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی
اور ایک کی بھی بیچھے واسے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جاہل میں سب عالم و جاہل ہم
آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں منتظر

عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خیر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا ہر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب نثر

مصرف کو کیوں کر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

ایک نعم مصرف نے یہ عابد سے کہا کر میرے لیے حق سے فراغت کی دہا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ محتاج کر اس کو جلد اسے بار حصار

کام کی جلدی

یاں رہے کی مہلت کوئی کیسا پاتا ہے آتا ہے اگر آج۔ توکل جاتا ہے
جو کرنے کے ہیں کام ان کو جلدی بھگتا ہے طلبی کا پیام وہ چھلا آتا ہے

غرض

ہر نفس میں انسان کے جتنی یہ مرض ہر سعی پہ ہوتا ہے غیبی گار عوض
جو خاص خدا کے لیے تھے نہام کیے دیکھا تو نماں ان میں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر آجڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکھڑ جاتے ہیں

آج الکی ہر ذیت توکل اس کی باری بن بن کے یونہی کھیل بھر جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو بکل فسر وہ حسن طر پایا پوچھا باعث توہنس کے یہ فرمایا
دکھو نہ اب اگلی جھنڈوں کی اُمید وہ وقت گئے آب اور موسم آیا

جس کو زندگی کا بھر و سا نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دنیا نے دنی کو نقش فانی تجھو رُوداد جہاں کو اک کہہ فی سمجھو
پر جب کہ آغا ز کوئی کام بڑا ہر سانس کہ عمر جاودانی سمجھو

ہر چیز میں اس کی آئی جانی سمجھو

آثارِ زوال

آہا کو زمین ایک پر اطمینان اولاد کو سستی یہ قناعت کا گمان
بچے آواز اور بے کار جوان ہیں ایسے گھراٹے کوئی دنگے ہمان

شانِ اوبار

صحرا میں جو پایا ایک پٹیل میدان برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
ماریں تھے جس کے بوتے سے دہقان یاد آئی ہیں قوم کے اوبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر نرم میں آفریں کے لائق ہونا شیریں سخن سے شہ فاق ہونا

مکن نہیں جب تک کہ نہ ہو میں نفاق آساں نہیں مقبولِ خلافت ہوتا

مسلمانوں کی بے مہری

جب تک کہ نہ ہو دشمنِ اخوان پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایمان پکا
ہم قوم کی فہمائے ہیں حق سے سستے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکر و ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرفت کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیروں سے واجبِ ہمدرد بھیروں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان پوشیدہ ہیں دشتوں میں اکثر انسان
غاری ہیں لباسِ تربیت سے دور نہ ہیں طوسی و رازی انھیں شکنیں ہار

علم

لے علم کیا ہے تو سنے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہاں سے واں آیا زوال
اُن پر جوئے غیب کے خزاں سے نفوذ جن قوموں نے ٹھیرا یا بگھے راس المال

ایضاً

لے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے سرچشمہ لغا و آیا دی تو ہے

آسائش دو جہاں ہے سایہ میں ترے دنیا کا وسیلہ دین کا بادی تو ہے

ہے جگہ سے نہال بھی مغرب کی دین ^{علم} مشرق کو وہ فیض تجھ سے لے علم نہیں
ناید لے علم ماہِ نخب کی طرح رہی ہیں شعاعیں تری محدود دہیں

خاندانی عزت

بیانکے نہ جب تلک ذلت سے عزت نہیں اُس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھاتا کانسب بھی عالی پر اُس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہی عزت ہی جہاں فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نساں
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیباں میں بھید ہوں حق کا جو ہی نیکی میں نہاں

توقع بیجا

ہیں یاد رسنیق پر مصیبت میں نہیں ساقی ہیں غریب لیک ذلت میں نہیں
اُس بات کی انسان سے توقع ہی بحث جو فرع بشر کی خود جہلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی اتنی ہی مغائرت ہے یاں اور خوشی

وہ دوست نہیں جس نے کیا کیراں
مذہب میں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا شمع سدا ہوتا ہے
ہر قبہ پہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دست پاتا ہو نہیں
کہتا ہوں میں اب کیجیے کیا ہوتا ہے

الضیاء

لے عیش و طرب تو نے جہاں لاج کیا
سلاطین کو گداغی کو محتاج کیا
دیران کیا تو نے نینو اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

ردق ہی ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بد گوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اور دلی کی بُرائی ہی یہی فخر دہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

لے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرافت اور جہانوں کو تباہ
دیکھا ہے سدا اسلامی میں تیسری
قویوں کو ذلیل خاندانوں کو تباہ

سبب زوال سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم
سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت
یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیے دین نے اسرار و علم دنیا نے کر دین کی تھامی جس دم
کر دین کی ممنون بہت ہے دنیا دنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یادوں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ کافر کہا و اعطائے انھیں اور گناہ
جھوٹے کہ نہیں ملی شہادت جس وقت لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پر گواہ

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظم جہاں کا ہے مدار اس قوم کا چیتنا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

عفو باوجود قدرتِ انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے خدا مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا

لے بھی کفر و مصلحت ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندیق۔ اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو اس کی تکفیر یا تفصیل کرنی ایسا باتی جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور اپنے دعوے پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲۔

ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

سختی کا جواب نرمی ہے

فتنے کو جہاں تھک ہو دیجے تکیں نہ ہر اُگھ کوئی تو کیجئے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے اس عارضہ کا علاج باطل نہیں

کم ہمتی

جب یہ قدرتی کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا نہ ہر پہ پہلار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ غنیمت

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا غرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جا بانی دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف بروفات نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم میرخلص

شہری ہے نہ طاؤس نہ لکب طناز آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز
مٹی بان کی یادگار اک بے بس زار سو اس کی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالب ہے نہ شیفہ نہ تیر باقی وحشت ہے نہ سالک ہی نہ اور باقی
یہ بیان شہزاد دہلی کے نام ہیں جنکے ساتھ راقم کو ریلوے اور اختصاص باہی عام اس سے کہ وہ شہر ذرا دور ہو گیا ہو

حالی اب اسی کو یزم یاراں سمجھو یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر بانی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اک ہیں محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خم میں
موسیقی کوئی نہ قوم کی چو پانی جب تک نہ چرائیں بکریاں تہین میں

گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت وہ بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا اُنکی گردن پہ دیاں دے دے کے جنھوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مَدِیں ال تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سو گواہی سن لو کچھ ختم جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس د کو بہن یاد نہیں چاہو تو نکھتا ہم سے ہماری سن لو

سُزِ اہل اسلام

پسی کا کوئی حد سے گدزنا دیکھے اسلام کا بُر کر نہ ابھرنا دیکھے

مانے نہ کہی کہ نہ ہی ہر روز کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہی شرط ابتدا انسان کے پھر چاہیے مانگی نہ دیرِ دواں سے
جب تک کہ نہ کام و دست باز دے لیا پائی نہ نجات فروغ نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہی جان کے ساتھ کام انسان کے لیے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کیے
جیتے ہو تو کچھ کیجیے زندگی کی طرح مردوں کی طرح جیسے تو کیا خاک جیسے

جھوٹی نہالیش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمجھ نہ دے بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن کی جیبوں میں مدام اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عجیب بہت سی خوبیوں کو نہیں سنا سکتے

موجود ہنرِ ہونِ ات میں جس کی ہزار بظن نہ ہو عجیب اس میں اگر ہوں وچار
طاؤس کے پاسے رشت پر کر کے نظر کر حن و جال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش حبال

مصر دت جویوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہے ہکو جتنے پانی میں ہیں آپ

محدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر تر آن و خبر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ با ہم لڑ کر
کچھ دم تو میدان میں آئیں ورنہ کتابھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ہو گا نہ شفی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا حُمد اکا منکر اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں میں خدا

وانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ ساعت نہو جب کانوں میں دمانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح وانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھوئے کی ہے لے رفارم رہا باقی کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبہ باقی

دھو شوق سے دھبتے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھار ہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ برح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا شش چھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اس کی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکے راج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پر اس کو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبوں جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنی ہیما اور مفت میں ہو گیا میجا بدنام

فکر عقیقے

منزل ہے بعید - باندھ لو زاد سفر تواج ہے - جسہ - دکھو شتی کی خبر
گاہک چوکس ہے - بیچلو مال گھرا ہلکا کہہ دو چھ ہے کھن را ہلکا

انسان کی حقیقت

مکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسانا ممکن ہے - بدی کا نہ ہے ایسا نشان

مکن تو ہے سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے انسان ہے اب تک وہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند یہاں ہے عشق کا سب کے مال پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً فال
سلاطین سے اگر نعلِ الہی تو عشق سے نعلِ الہی کے لیے دقت زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پر مجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یار
ہو جائے گرا یک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لیے تیار رہنا چاہیے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بھر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اٹھا پئے اب حالی مجلسِ کرد و فرخاست ہو ادقتِ سحر

دولت میں ثابیت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ بڑے نہ ہاتھ دل سے دھوٹا زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کوٹی ہی محک ہے جو ہر انسان کی کوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابلِ عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے دیں جب تک کہ ہے وہ عقل و دانش کے قرین

آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہوں آزرده کہ تو تو ہی نہیں

سفہا کی صحت و ذم

کرتے ہیں سفیہ اگر مذمت تیری کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر صحت کریں وہ گہر نصیب اعدا رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لا علاج ہے

اب صفت کے پنجے سے نکلتا معلوم پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھوئی ہو وہ چیز جس کا پانا ہو حال آتا ہو وہ وقت جس کا ملنا معلوم

اسراف

مُسرف نہ بس اپنے حق میں کاسٹے ہوئیں نعمت نہ خدا کی رائیگاں یوں کھویں
گر بخل پہ لوگ اُن سے ہمیں بہتر ہے اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردِ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے۔ نہ جواب زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اسے دوا ہمت سائل کے سوال سے تراش جو جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں مہیں جو دیکھ کے دیکھ کے دل سی بھائے ہیں ہیں
پر سب لذتیں تھے وہ کھانے لے بھوک جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کمزور وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ خوف زوال

اچھوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا جو کر کے بھلا خلق سے سننے میں برا
ان گالیوں کا ہے جن کو شہ کا حالی آتا نہیں ان کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکر یہ مدح کلامِ راقم

چرخِ نجمِ باوہ حجامِ خالی میں ہوا پھر دلالہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد و سخن جھکو بھی شک اپنی بے گمانی میں ہوا

لے مولوی سلیم الدین مرحوم ہمارے ولی مقیم ہے پور بھٹنسلیم نے چند قطعے اردو دارنارسی کے
راقم کے کلام کی ستائش میں اس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا
ان قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔

احسان بے منت

احسان کے ہے گروہ کی خواہش تم کو تو اُس سے یہ بہتر ہے کہ احساں نہ کرو
کرتے ہو گروہ احسان تو کرو اُسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون میں بیشتر تعینا بے کار حاشا کہ جو اُن پر نظم عالم کا دار
جو نیک ہیں اُن کو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں ہٹے نیک اُسے زہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مدافعت سے اور آتش کیس
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہل خلاف جو ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

اعطائے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں اک وقت سے اپنے نہیں ملتی تو آجیل
عارض یہ ایک سیٹھ نے اٹھ کر کہ مفید ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنے

آہیں پری میں شیخ! بھرتے نہیں یوں دل دیتے ہیں پرچی سے گزرتے نہیں یوں
تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گہرنے پوچھے جو اصول اسلام واعظ نے دشمنی سے کیا اس سے کلام
بولا کہ حضور مقتدا ہوں جس سے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب قارا لامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہر اہی اقبال! جس نے فتحیابی چاہی
حانی سے جائے کون بازی ان سے ہے جن کی رگوں میں خونِ آصف جاہی

۱۔ یہ قربانی سنا تھا میں جب کہ راقم حیدر آباد میں معتم تھا اور نواب دفا الملک بہادر بہی سے
پلوں بانی جیت کر آئے تھے لکھی لکھی گزراؤں کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خونِ آصف جاہی کے
لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ حضور سے قرابتِ قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں
ان کے خطاب کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۰

رباعیات قدیم

ہو غیب کی خواہ کہ ہنس کی عادت مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹے ہی چھٹے گا اُس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز و شب نہیں گئے جب یاد کریں گے مجھے تب، دُشیں گے
آفت پہ - دغا پہ - جاں نثاری پہ مری آگے نہیں روئے تھے تو اب روئیں گے

وقت میں بشر کی رات کیوں کہ گزرے اک خستہ جگر کی رات کیوں کہ گزرے
گدڑی نہ ہو جس بغیر یاں ایک گھڑی یہ چادر پہر کی رات کیوں کہ گزرے

یاد اُس کی یہاں دردِ دہام اپناؤ خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ بیچے کہ ہے نام اُس کا کس طرح نہ بیچے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ
 میں اور اطاعتِ یزیدِ مگراہ !!
 تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
 لاجول دلا قوتہ الا با اللہ

خونِ گھٹنا تھا دل شہِ ذوی جاہ سے بل
 سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک؟
 مگرہ نہ ہو رہا سیرِ حق آگاہ سے بل
 اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے بل

گر کفر میں مسرِ عون کا ثانی نکلا
 سمجھا تھا نہ تھا بحرِ غفلت کی یزید
 اک شام میں بید کا پانی نکلا
 وہاں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے، ترکیب بند، مسدس اور چند قطعے

مختلف مضامین پر

(بہ ترتیب اوقات تحریر)

قصیدہ لغتہ

سب سے پہلی مدحت سلطانِ دوہاں کیلئے	سخنِ زباں کے لئے اور زباں وہاں کیلئے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں	عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کیلئے
وہ شاہ جس کا محب من و عافیت میں مدد	محبت اُس کی حصارِ حصین، اماں کیلئے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جاں منہموم	رہا نہ فقر و روز و شب زماں کیلئے
وہ بھول جس سے ہوئی سچی باغیاں مشکور	ہی نہ آمد و رفت چمنِ حسنہاں کیلئے
ہلالِ مکہ کا - ماہِ دوہفتہ شیرب کا	فسرغ قوم کے اور سمیعِ دودماں کیلئے
گھر اُس کا مورِ دستِ آن و ہمیطِ جبرئیل	در اُس کا کعبہ مقصود اُنس و جاں کیلئے

۱۔ یہ قصیدہ ۱۲۸۷ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے نسبت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس کو اپنی قدیم شاعری کا نو نہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے کہیں کچھ تھوڑے نہیں کیا گیا۔

پہر گرم طواف اُس کی بارگاہ کے گرد
 وہ لحظہ لحظہ فقہ وہ دم بدم الطاف
 وہ گو نہ گو نہ مدار وہ بات بات میں ہر
 گہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے
 کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے
 صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
 کہیں مقدمۃ الجیش انبیاء و رسل
 مدینہ مرجع و ما داسے اہل مکہ ہوا
 اسی شرف کے طلبکار تھے حکیم و سیح
 بس اب نہ غول کا کھٹکانہ راہزن کا خطر
 شفیع خلق ہر اسر خدا کی رحمت ہے
 شفاعت نبوی ہے وہ برق عصیاں سوز
 خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
 اُسی کا دین ہے کہ سبے گلشن ہمیشہ بہار
 عبور لچہ عصیاں سے کس طرح ہو۔ اگر
 مریضِ حرص و ہوا پائے کب شفا جب تک
 نہ عزت و صورت میں نعمت کام و لب میں سکت
 ارادہ عرش تک اک آن میں پہنچنے کا
 کرم کا دیکھئے دامن کہاں تلک جو فرائخ
 زمیں پہ پھیرا ہے ما داسے شاہِ عرش نشین
 اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد

زمین سر بسجود اُس کے آستان کے لیے
 رضائے خاطر یار ان جانفزاں کے لیے
 کشائشِ گرہ کین دشمنان کے لیے
 گہ انگسار مداراتِ یہاں کے لیے
 کہیں نماز میں تعجیلِ ناتواں کے لیے
 دعائے خیر بد اندیش و بد گماں کے لیے
 کہیں وہ خاتمۃ الیابِ داستاں کے لیے
 کہیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لیے
 نویدِ اُمتِ پیغمبرِ زمان کے لیے
 ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لیے
 بشارتِ اُمتِ عاصی دناؤاں کے لیے
 کہ حکمِ خس ہی جہاں کفر و جہاں کے لیے
 گنہ گریں تو کریں تختِ انس و جاں کے لیے
 و گرنہ ہر گن و گنوار ہے خزاں کے لیے
 وہ نا خدا نہ ہوا اس بحرِ سیکاں کے لیے
 وہ چارہ گر نہ ہوا اس ردِ جانناں کے لیے
 حقیقتِ شبِ معراج کے میاں کے لیے
 کیا تھا غمِ اولو العزم نے کہاں کے لیے
 ہو میزبانِ خدا جب کہ میماں کے لیے
 رہی نہ اب کوئی قومیتِ آستان کے لیے
 محک ہی حُبِ نبی دل کے ہتھاں کے لیے

اگر نصیب ہو شرب میں جا کے شربتِ مرگ پیوں نہ آپ بقا عمرِ جاوداں کے لیے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسر آئے کروں نہ طولِ ازلِ وقفہِ جہاں کے لیے
سایا اس کا جو نقش قدمِ تصور میں ہجومِ شوق میں لے کہاں کہاں کے لیے
حریفِ نعتِ پیسہ نہیں سخنِ حالی کہاں سے لائے اعجاز اس بیاں کے لیے
نبی کا نام ہو درِ زباں رہے جب تک سخنِ زباں کے لیے اور زباں ہاں کے لیے

۲۔ ترکیبِ بند - مرتبہ ۲۸۵ - محبِری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ غالب
کیا کہوں حالِ دردِ پہنائی وقت کوتاہ و وقفہ طولانی
عیش دینا سے ہو گیا دلِ سرور دیکھ کر رنگِ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خوابِ خیال گوشہ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریبِ دہم و گماں علاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ نرگس جامِ جمشید و راجِ ریمانی
لفظِ اہل ہے نطقِ اعرابی حرفِ باطل ہے عقلِ یونانی
ایک دھوکا ہے لہجہِ داؤدی اک تاشا ہے حسنِ کفائی
نہ کروں تشنگی میں تریبِ خشک چشمہِ خصمہ کا ہو گر پانی
لوں نہ باکِ مشیتِ ناک کے بلے گرے حاتمِ سلیمانی

بحسبِ ہستی بحسبِ مہر آب نہیں

چشمہ زندگی میں آب نہیں

جس سے دُنیا نے آشنائی کی
تو نے کی جس سے یو فانی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ
یہ وہ ہے مہر ہے کہ ہے اسکی
ہے یہاں حفظ وصل سے محروم
ہے یہاں حفظ وضع سے مایوس
خندہ گل سے بے بقا تر ہے
جن کا سد سے نادر اتر ہے
بات بگڑی رہی سہی افسوس
آج خاقانی و سنائی کی

رنگِ عربی و فخرِ طالبِ مُرد

اسد اللہ خانِ غالبِ مُرد

بیلِ ہند مر گیا بیہات
نکتہ داں نکتہ سخنِ شناس
شیخ اور بذلہ شیخ شوخ مزاج
لاکھ مضمون اور اس کا ایک مضمون
دل میں چھپتا تھا وہ اگر بمثل
ہو گیا نقشِ دل پہ جو لکھا
جس کی تھی بات بات میں کلمات
پاک ل پاک ل بات پاک صفات
زندہ و مرجعِ کرام و ثقات
سو تھکتا اور اس کی سیدھی بات
دن کو کہتا دن اور رات کو رات
قلم اس کا تھا اور اس کی دوات

تھیں تو دلی میں اُس کی باتیں تھیں سے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اُس کے مرنے سے مر گئی دلی خواجہ نوشہ قوادر شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اُس کی بزم یاں اگر ذات تھی تو اُس کی ذات
ایک روشن دماغ تھسا نہ رہا

شہر میں اک چراغ تھسا نہ رہا

دل کو باتیں جب اُسکی یاد آئیں کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جا کر سنائیں شعر و غزل کس سے داد و عنذری پائیں
مرثیہ اُس کا لکھتے ہیں احباب کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
پست مضمون ہے فوجہ استہاد کس طرح آساں پہ پہنچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں اہل میت بخاندہ ٹھیرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے خالی گئے سوئے دفن ابھی نہ بے جائیں
اس کو اگلوں پہ کیوں دیں تزیین اہل انصاف غور منہ مائیں
تدسی و صائب داستانِ دیکھم لوگ جو چاہیں ان کو ٹھیرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ہے ادب بشرطِ مہنہ نہ کٹلوائیں

غائب نکتہ وال سے کیا نسبت

فاک کو آساں سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت نظمِ غنچ و ذلال کی صورت
تہذیب اک نشاط کی تصویر تعزیت اک طلال کی صورت

قال اس نکادہ آئینہ جس میں
اُس کی توجیہ سے پکڑی گئی
اُس کی تاویں سے بدلتی گئی
لطف آغاز سے دکھانا تھا
چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے
لوحِ امکاں سے آج مٹی ہے
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
نظر آتی تھی مال کی صورت
نکل امکاں محال کی صورت
رنگِ ہجرانِ محال کی صورت
سخن اُس کا مال کی صورت
انوری و کمال کی صورت
علم و فضل و کمال کی صورت
غالب بے مثال کی صورت

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ

کہیں دھوئے نہ پائیں گے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سو گوار ہے آج
نازِ شیشِ خلق کا محل نہ رہا
تھا زمانہ میں ایک رنگیں طبع
مٹی ہر اک باتِ فیشہ جس کی
دل میں تیرے سے مٹی غلج جس کی
دل مضطرب کو کون دے سکے
تجلی غم کہی نہیں جباتی
کس کو لائے ہیں بہرِ فن کہ قبر

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد

کس سے مالی ہوا جہان آباد

چکا

نفسد معنی کا گنج داں نہ رہا خوان مضمون کا میزبان نہ رہا
 ساتھ اُس کے گئی بہار سخن اب کچھ اندیشہ خزاں نہ رہا
 ہوا ایک ایک کار داں سالار کوئی سالار کار داں نہ رہا
 رونق حسن تھا بیاں اُس کا گرم بازار گلِ رخاں نہ رہا
 عشق کا نام اُس سے روشن تھا قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا
 ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں گل و بلبل کا تر جواں نہ رہا
 اہل ہند اب کرینگے کس پر ناز رشک شیرازہ دھنپان نہ رہا
 زندہ کیوں کہ رہیگا نامِ ملوک بادشاہوں کا مع خواں نہ رہا
 کوئی ویسا نظر نہیں آتا وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

اٹھ گیا تھا جو مایہ دار سخن

کس کو پھیرائیں اب مدار سخن

کیا ہے جس میں وہ مرد کار نہ تھا اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
 شاعری کا کیا حق اُس نے ادا پر کوئی اُس کا حق گزار نہ تھا
 بے صلہ مع و شعر بے تحسین سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
 نذر سائل تھی جان تک لیکن در خود ہمت اقتدار نہ تھا
 ملکِ دولت سے بہرہ ور نہ ہوا قطعہ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
 خاکساروں سے خاکساری تھی مہربندوں سے انگسار نہ تھا
 لب پہ احباب سے بھی تھا نہ کلمہ دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
 بے ربائی تھی زہد کے بدلے زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا

منظر شانِ حسنِ فطرت تھا

معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں	آج بیل نہیں گستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن	ایک یوسف نہیں جو کٹاں میں
ملک یک سر ہوا ہے آئیں	اک فلاطون نہیں جو یونان میں
ختم تھی اک زباں پر شیرینی	ڈھونڈتے کیا ہو سیٹ رتاں میں
حصر تھی اک بیاں میں رنگینی	کیا دھڑا ہی عقیقہ درمیاں میں
لبِ جادو بیاں ہوا غاموش	گوشِ گل واسطے کیوں گستاں میں
گوشِ معنی شنو ہوا بے کار	مرغ کیوں نعرہ زن ہے بُستاں میں
وہ گیا جس سے بزمِ روشن تھی	شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں
نہ رہا جس سے تھا فرغِ نظر	سُرمہ بنا ہے کیوں صفا ہاں میں

ماہِ کارل میں آگئی ظلمت

آبِ حیاں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پایگا اب کون	سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہم نے جانی ہی اُس کو قدرِ سلطنت	اُن پہ ایمان لائے گا اب کون
اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے	اُس کو دل سے بھلا گیا اب کون
فقی کسی کی نہ جن میں گنجائش	وہ بیکہ دل میں پایگا اب کون
اُس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھو	جا کے دلی سے آئیکا اب کون
مر گیا قدر دانِ ہم سخن	شعر ہم کو سنائے گا اب کون

مرگیا تشنہ مذاقِ کلام ہم کو گھر سے بتائے گاہ اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک ہکو چالیں بتائے گاہ اب کون
کہ لَنَا رَمِيهِ مِنْ بُلْكِ وَغَوِيلٍ
وَعَتَابٍ مَعَ الزَّمَانِ طَوِيلٍ

۳۔ قصیدہ نعتیہ

میں بھی ہوں حُسنِ طبع پر معتمد و مجھ سے انھیں گئے اُن کے ناز ضرور
فاک ہوں اور عرش پر ہے دامع مجھ سے برتر ہے میری طبعِ غبور

۱۔ اس قصیدہ کی تہذیب ۱۸۵۷ء کے ہدایات میں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دکن میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ تومن۔ ذوق۔ آزاد۔ غالب اور شفیقہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انھیں دنوں میں سیتا رام کے بازا میں ایک شاعرہ تراپا یا مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں جن دوستوں کی جادو جانتیں دافرن سے مرغ میں غزل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے شاعرہ میں نہ آئے۔ بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کسبائی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعران لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ بیچ بچ اپنے شعر کا قدر داں سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی تحریر تہذیب نگھی گئی تھی مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے مہمہ میاں ٹھو بیٹے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح تجارت کی گرم بانامی اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح شاعری بھی منوال سے مانی جاتی ہے لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو ذلت اپنی نطی پر مستحب ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا تاکہ فقر کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے۔ ۱۲

خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے
 چشمہ آبِ خضر کی مانند
 دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت
 مثل یوسف دکھائے جو ہر ذات
 بیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱
 کبک دستری کو رخصت پرواز ۲
 جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں
 لذت سے جو نہ ہو آگاہ
 جس کی آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے
 پہلے ہوئی کسی کو قدر ہنس
 درد دل کا بیاں کہوں کس سے
 سخن حق کی داد لوں کس سے
 دل آباد مفت بے ہنسوں
 مزد خسر کو وصل شیریں کا
 ہم نے دیکھی متین اہل ہنس
 ہے غرض ان کو موت موزوں سے
 ہو کسی شے سے ان کی گری بزم
 ہے فقط روشنی سے ان کو کام
 ہے یہاں قائل "انا" مر دو
 طے مولا ایک سخی چڑیا (المن رنگ)

میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور
 چشم اہل جہاں سے ہوں مستور
 جھکو پروا نہیں کہ ہوں مشہور
 جس کو کہنا ہو مفت یاں منظور
 ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
 بال دہر مفت معوہ و عصور
 اُس سے شکوہ نہیں کہ بت معذور
 اُس کو کیا قدر خوشہ انگور
 روز روشن ہے یا شب و بچور
 اُٹھ گیا اب جہاں سے یہ دستور
 بات کھوئی نہیں مجھے منظور
 سن چکا ہوں فسانہ مقصور
 ہو چکا حسانہ ہنس معور
 ہو چکی سعی کوہکن مشکور
 ہم نے دیکھا مذاق اہل شعور
 نالہ دل ہو یا نواسے طہور
 داستاں ہو وہ یا کہ درس زہور
 موم ہوا صل شمع یا کافور
 ہو وہ نہ سخن وقت یا مقصور

آپ اپنے سخن سے ہوں محفوظ
یاں اگر کام ہے تو شیریں سے
دل احباب پر نہیں چلتا
ہوں تماشائے شہر نابینا
دیکھتا ہوں اور ہوں بے آب
چشمہ پیدا و کار و داں تشنہ
اس زمانہ میں وہ غریب ہوں میں
صاحب قدر و جاہ ہے جب تک
کاش اُس عہد میں مجھے پاتے
کاش داں دیکھتے مجھے کہ جہاں
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز
کون دیکھے مرے جمن کی بہار
جس سے ہوتا ہے خستہ سینہ ہوش
جس سے ہوتا ہے کور پر دانہ
شرح نقطہ کی گر کردوں تحریر
ترک عشق بتاں کریں عشاق
گر کردوں ذکر لذت طاعات

دل اصحاب گو نہ ہو سرور
تصر خستہ کے اور ہیں مزدور
سحر میرا کہ دہیو غیر سے دور
ہے برابر مرا نصف و ظہور
مار کاٹل ہوں اور ہوں بے نور
بادہ پر زور و اعجب من مجبور
جو وطن سے ہولاکھ منزل دور
کار نہر ما ہے جین میں فقور
تھا سخن جب کہ قبلہ جمہور
متنبیؒ تھا ماری کا فوٹہ
انوری ہے نہ عرنی دشا پور
مر گیا عندلیبؒ نیشا پور
ہے زباں میری وہ دم شہ طور
ہے مری شمع میں وہ لمحہ نور
تنگ ہو عرصہ نقوش و سطور
مجھ سے سن پائیں گہ ستائش جو ر
تلخ کردوں مذاق مسک ذہن جو ر

۱۔ ابوالطیب احمد بن حنبل نے بغداد میں متنبیؒ کو ملحق کر کے شاعر ۱۲۔
۱۳۔ کاغذ پر انجمنی دلی مصرع کی طرح میں متنبیؒ نے قصیدے لکھے ہیں ۱۴۔
۱۵۔ عندلیب نیشا پور سے مراد نظری ہی لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرنا مہیا کہ
نیشا پور میں نے مودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویا بن ہندینمت است ۱۶۔ ۱۷۔ پھر ۱۸۔

چھپے دوں گر فسانہ مہر ہاں
 کرنے جاؤں جو حق سے عذر گناہ
 لوں ملائک سے داد حق کلام
 وہ شہنشاہ - اُمتی جس کا
 وہ خداوند - خدائی جس کا
 مرده اے اُمتِ ضعیف کہ یاں
 لب شیریں کلام سے اُس کے
 اثر فیض عام سے اُس کے
 چرخ کو دے اگر وہ حکم سکوں
 صرصر تہر گر چلے اُس کی
 جس طرف ہو وہ گرم نظارہ
 ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فلک
 بات پوچھو تو سوائے چرخ نگاہ
 ہو سکے اُس کی خوبیوں کا شمار
 لے ترا پایہ فہم سے برتر
 میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں
 کچھ نہیں زادِ راہ پاس اپنے
 طبع غالب ہے اور میں مغلوب

دل خسرو میں ڈال دوں نامور
 لے کے آؤں نویرِ عفو قصور
 گر لکھوں نعت سرورِ جہور
 یاں گہنگار اور وہاں مغفور
 یاں سبکداز اور وہاں ماجر
 سعی ہوتی ہے بے کیے مشکور
 دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
 کعب آباد و میکہ معمور
 ہو غلط نسخہ سنیں و شہور
 بسند ہو ملک صبا و دیور
 جلوہ گر ہو آدم سے لعل طور
 موزن ہو وہاں سے چشمہ نور
 سینہ دیکھو تو علم کا گنجور
 نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور
 اے ترانامِ عرش پر مسطور
 نام تیرا شفیق روزِ نشور
 مگر اُمتِ عفو ریتِ غفور
 نفس قاہر ہے اور میں مقہور

بحر غفلت میں ہوں سرا سر غرق
 چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن
 مہرِ زند و خواہشِ زرد و سیم
 ایک بیمار اور سو آزار
 نفسِ امارہ اور دیوِ مرید
 مجھ سے جو کام چاہیے کیجے
 حسد و بغض و غیبت و بہتان
 ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی
 دل لگے بندگی میں کیا امکان
 مایہ عقل ہے نہ شور جنوں
 نہ معاصی میں تلخی فجدست
 فی ائٹل ہے مری مسلمان
 ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے
 جب ترے کارواں میں جا پہنچا
 دُورِ آستانِ دالا سے
 جا لگے تیرے در پہ کشتیِ عمر
 جیسے جی دل میں یاد ہو تیری
 مرے دم لب پہ ہو ترا مذکور

لہ دیو = شیطان مرید = سرکش دیو مرید سے مراد ابلیس ہے۔

لہ عقور = کاٹ کھائے والا۔

۴۔ قصیدہ مدحیہ ناتمام

نواب کلپ علی خاں مرحوم رئیس راجپور کی شان میں

نخلِ حق کلپ علی خاں جسکے بذلِ جوہر ہند سے لے تا عرب ہیں خامی دعائی گوا
 صاحبِ علم و عمل اور تاجِ احکام دیں زائرِ قبر بنی اور حاجی بیتِ الہدیٰ
 شاعری میں فردوسیؒ کی میں فارابیؒ عصر صوتِ روح افرادِ صورتِ آیہ مضعِ خدا
 دولتِ برطانیہ پر اس کی فرزند کی کا حق دولتِ عثمانیہ کو اس سے پیوند دلا
 اس کی ہدایت سے لڑتے ہیں مقلد و حلیس اور مردّت پر ہیں نازاں مجرم و اہلِ خطا
 مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اس کا بابِ فیض ۱ یہ دہہ دعویٰ ہے کہ خود دربار ہی اس کا گوا
 گلزمینِ ہند میں تھے جو درختِ بار بار ۲ ان کو چن چن کر یہاں لایا چمنِ بسندِ سخا
 گر مناظر ہیں تو ہیں سرِ دستِ اہلِ کلام ۳ اور حدیث ہیں تو ہیں سرِ چشمہٴ اہلِ ہدیٰ
 زمرہٴ اہلِ اقیس یا مجمعِ اہلِ سلوک نکتہٴ چینانِ مجسطیؒ خودہ گیرانِ شفا
 شاعرِ شیریں نفس یا شاعرِ سنجیدہ لائے فیلیوف مستدل یا عارفِ علتِ ربا
 بے بدل ہی الغرض جو روپ ہی اس باغ میں بیلِ جا دو نوا ہو یا گلِ رنگیں ادا

اس قصیدہ ۱۲۹۱ھ میں اُس وقت لکھا گیا جبکہ نواب مدوح علی گڑھ کے مدرسہ العلوم کا پٹن
 ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو و پچیس سال کی جاگیرِ ہمیشہ کے لیے مدرسہ کے اخراجات کے داکٹر
 اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور سچدہ کے دے چکے تھے مگر مصلیٰ ان کی خدمت میں بھیجا نہیں گیا اور
 اسی لیے ناتمام رہا اس کے اول و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہو گئے ہیں۔

ہر وہ ہیں فیض سے تیرے بلا دور و ست
 بر محمولات سے یاں تک ہوئی ہلکی کراب
 غیر تیری ہی حصار عافیت تیرے لیے
 نعمتیں حق کی نہ ہمیشگی سیٹھے زیہ سار
 خوان نعمت پر ہے تیرے مہماؤں کا ہجوم
 ہے یقین تجھ پر پڑے اصحاب عشر کی نگاہ
 دولت اقبال روز افزوں سے تیرے ہے عیاں
 پرورش پاتی تھی جن کے سایہ دولت میں قوم
 کچھ ٹھکانے نہ ہو گئے ہیں جو کہ آتے ہیں طشہ
 یہ اگر کہتے نہ کشتی بیان اس طوفان میں
 وہ تھی تیری خدیوادی سے شرم اہل فضل
 بل گئے تھے گوہر درج شرافت خاک میں
 ہوئے تھے دودمان علم و دولت جاں بپ
 گول میں پودا لگا ہے جو پے تہذیب و جم
 ہر یہ وہ احسان جس کے بار منت سے کبھی
 تیرے نقل تربیت میں گرہا یہ فوہاں
 غرض اگر کیجے اسے دیوار کا رخ آمد و
 اور اگر کہیے کہ ہر یہ قوم کی کشت مراد

لے خوشادہ سر زمین جس پر ہو تو فرماں ردا
 بار منت سے تیرے پشت رعیت ہے دوتا
 سیر ہو کر تجھ کو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا
 ہر بھلائی کی بلی وہ چنند گز تجھ کو جزا
 نام پھر زندہ ہوا خوان خلیل اللہ کا
 جب کہیں کس نے کیا حق میزبانی کا ادا
 جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہی خدا
 لے گئی اُن کو بہا کہ تیرے سیلاب فنا
 ہند میں اب تک یہ نگاہ اُمت غیر الوری
 کشتی اسلام تھی مجدد عاریں بے ما خدا
 وہ نہ ان کی خیر کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا
 خاک سے تو نے اٹھایا ان کو اور بخشی جلا
 تو نے ایک ایک کے چوایا ملک میں آب بقا
 آبشاری سے ہے تیری ہی اسے نشو و نما
 قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے رستے دریا
 ہے یقین پیلین کی شاخیں اُسی طوبی کی سوا
 تو وہ پشیمان ہی جس سے اسکی قائم ہو بنا
 تو ہے اُس پر اب رحمت کی طرح چھایا ہوا

قصیدہ ناتمام مرقومہ ۱۶۲

سر سید احمد خاں دام بقاؤ ہم کی شان میں

پہاں نہیں ہی یاد سب پر گھلا ہوا ہے
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم
اس پر بھی لے عزیز وہ ہے جاسکے فخر تم کو
قبلہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا
دی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب تم کو
بخشی تھیں حکومت جلالت تھیں عطا کی
اس دور آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم
سر سبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا
دار اس پر قوم کے ہیں وہ قوم کی سپری
دور ہم سے اور قلم سے دم سے قدم سے اپنے
بہرہ و قوم ایسا ہم نے سنا نہ دیکھا
تعلیم کی تمہاری بنیاد اس نے ڈالی
بعد از قرون اولیٰ کس نے کیا تباہ

جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
خود سانپ نہ نیاں سے نکال نکل گیا ہے
دینوں میں دین بیضا حق نے تھیں دیا ہے
بادی ہے وہ تمہارا جو جسم انبیا ہے
جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
دوراں بداموافی تم سے یونہی ہا ہے
اک ہا سخی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
فتوؤں سے قوم کے گو کا فر ٹھہر چکا ہے
یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے
قوم اس سے بدگماں ہی وہ قوم پرندہ ہے
جو کچھ کیا ہی اس نے وہ کس سے ہو سکا ہے
یہ درد اس کو جدگی میرا شپس ملا ہے
ملکوں میں جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہے
سید نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

یہ قصیدہ اس وقت لکھا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسہ العلوم کا بنیادی پتھر لاہور ڈالنے لپٹے اٹھتے تھے
مگر پھر سب کچھ برباد ہو گیا اور لاہور کے پورا علاقہ

۶۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۱۸۵ھ

مرثیہ ہمیں برادر ارقم جناب خواجہ ادا دین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھ کے چپ چاپ
خاموش کبھی ہم نے تجھے یوں نہیں دیکھا
شادی میں تری تہنیتیں ہم نے سنی ہیں
ہنسنا ہے نہ روناس ہے نہ پند ہے نہ نوحہ
دنیا ہے یہ اک دار فنا جس کا اثاثہ
ہو جائے گراں شاں یوں نہیں ہر پنج میں خاموش
اک آہ بھری سُن کے یہ حالی نے کہ جس سے
فرمایا کہ موجوں سے بھنور کی نہیں آگاہ
حالی ہی کو معلوم ہے حالی کی حقیقت
آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بھڑکتے
پر بھائی ہوں جس شخص کا حالی کا سایہ بھائی
جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا
جس بھائی کی آغوش میں ہوش اُس نے بے حال
شفقت نے مایا جس کی بٹلا مہر پرہیز کو
میا بھی رہا بھائی گر اس بھائی کے پیچھے
دل مردہ ہو نہ حالی کی طرح جس کا عزیز د

حالی سے کہا ہم نے کہ اسے جس معانی
کیا ہو گئی وہ تیسری طبیعت کی روانی
ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی
کچھ کہ تو ہی دل میں یہ کیا تو نے ہے ٹھانی
سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی
کس طرح دلوں کے ہوں عیاں راز نہانی
دل ہل گئے اور سب کے ہو ہو گئے پانی
سائل پہ ہیں جو یاہ سپر قاصی دانی
مشکل ہے کس دل کی عزیز و نکو دکھانی
موت ایک کے آگے ہے مزد را یک کو آتی
غم بھائی کا مر جانے کی ہے اُس کے نشانی
سو کھی ہوئی گیتی میں دیا باپ کی پانی
جس بھائی کے سایہ میں کٹی اُس کی جوانی
دی آئے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرائی
لذت نہیں جینے سے نصیب اُس کو آسانی
کیا ڈھونڈتے ہو اُس کی طبیعت میں دانی

یہ چپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اٹھ
بولیں گے بھی سو بار نہیں گے بھی جہاں ہیں
یہ چپ نہیں مرنے کی ہر جانے کی ہر دل کے نشانی
یہ تا دہے ہر طرح ہیں پار لنگھانی
شکل ہے وہ جسے ہر جھانگی دل کی
شکل ہے وہ جسے ہر جھانگی دل کی

باقی رہے گا دلخ سدا بھائی کا دلیر
ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہر فانی

۷۔ قطعہ مرتبہ مسئلہ

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر المہام سرکاری

آسمان جاہ کی خدمت میں عالی کی ہے عرض
شکر مکن نہیں اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے
نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمت سرکار نظام
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہوا اتنی قدر
حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا
ہاں مگر ذات میں ہے فیض رسانی جن کی
ہیں مرقی ہنر دہے ہنری کے جس طرح
آسمان جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گدا
یاں وہ ان کیفیتوں کو دے کے گیا ہوا پانی
تو اس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج
نرسنت۔ آسودگی اور ملت دہندہ ان کا

کہ اگر میرا ہر اک روٹکا ہو جائے زباں
اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرماں
نہ کیا میں نے کبھی طوطا وہ صدر زباں
اور نہ ایسا کوئی جو ہر جوہر قیمت میں گراں
جسکے جلد میں وہ اس لطف کا ہوتا شایاں
ڈھونڈ لیتے ہیں کوئی جیلہ برائے احساں
خار و گل دونوں کو کہتا ہی نہال آپ داں
ملک میں اُس کا ثنا خواں ہی ہر اک پیرواں
آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگراں
سہہ وہ عالم پہ ہویدا نہیں حجاب بیاں
ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے جہاں

پھر نہ قدر ان کی کچھ آنکھوں میں غلام کی بلند
 آسماں چاہ پہ برکت ہو خدا کی جس سے
 مدرسے قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز
 ان کی امداد سے نوابانے کی ہے قائم
 کرتے ہیں زندہ حیا دید بنی نوع کو جو
 ہے بدادس کی اعانت وہ نگوئی جس کا
 یہی بخشش ہی ہی جو دہے راس الحشرات
 یہی امداد ہے جس سے ہوئیں تو میں سر سبز
 یہی قوت ہی کہ ہوتے ہیں قوی جس کی ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سہراہ سیل ق
 اس کی خواہش تھی کہ جھٹے رہیں پیاسے سیراب
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اس ملک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر
 اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں ہیں جنگ
 آسماں چاہ سے ہو تقویت ملک دکن
 دولت قیصری و دولت آصفیای

اور نہ وزن ان کا ترازیں حکومت کی گراں
 درد کا جان لیا ان کے کہ یہ ہے دریاں
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان
 چشم عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہاں
 بدل کرتے ہیں سپے تربیت اہل زماں
 ملک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احساں
 جس پہ موقوف ہے بہبودی نسل انساں
 یہی تدبیر ہی جس سے ہوئے ملک آباداں
 یہی حکمت ہی کہ ہوتے ہیں سبک جس سے گراں
 کی ہمیشہ کے لیے ایک نے داں نہرداں
 اس نے چاہا کہ ہے پیاس کا باقی نہ نشان
 نہر جاری سے ہی ذات ان کی سوافیض ساں
 حاجی علم و حسد یاد رکھاں انسان
 شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احساں
 اور رہے ملک دکن طحا و ماوائے جہاں
 ایک کی ایک زمانہ میں ہے پشتیبان

۸۔ قصیدہ مرتبہ ۳۰۶

ہنیت عید الفطر بہ جناب ذاب سر آسمان چاہ دار المہام سرکار عالی

بہ صیام گیا اور روزِ عید آیا
کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے
رہیں منت ساقی ہیں بادہ خوار تمام
گئے ہیں ایسے مساجد سے متکف خوش خوش
شگفتہ آتے ہیں اس طرح عید گاہ سے لوگ
حین جاؤ میں پھولے نہیں ساتے آج
غریزہ دست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم
حکیم ہیں متفکر نہ زاہد افسردہ
غنی ہیں ثمال میں ست اور گداہیں ل میں ست
ادھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر
کھلے ہیں اسکے عوض دشت میں کہوڑوں پھول
ہزاروں سرد خراں ہیں شہر میں ہر سو
اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم
مگر یہ ماریتی انبساط ہے سب پہنچ
فریفتہ ہو سکے جو ایسی ایسی خوشیوں پر
خوشی ہی جس سے عبارت وہی خوشی انکی

خوشی کا عید کی حق ہر کوئی جبا لایا
کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا
کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلایا
کہ جیسے طفل ہو کتب سے چھوٹ کر آیا
کہ گنج آنکھوں نے ہے گویا خوابہ میں پایا
کہ دن خدا نے نائش کا آن کو دکھلایا
خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
خوشی نے دی ہر زمانہ کی کچھ پلٹ کا یا
ہی ایک خوان سے منعم نے سب کو کھجورایا
سماں نشاط کا ہی شہر و دشت پر چھپایا
جو غم سے شہر میں آج ایک دل ہے کھلایا
جو دشت میں کوئی پودا ہے آج تر جھایا
تو سمجھو غم کا عوض غمزدوں نے بھر پایا
اس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا
آنکھوں نے آب کا دھوکا سراب پر پایا
جنھوں نے خلق میں ذکر جیل پھیلایا

جنہوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما
 جنہوں نے ملک کے امراض کو کیا تخفیف
 جنہوں نے خلق سے اپنا بنایا غیروں کو
 خبر رسید کی تی جاہلوں کو دی تعلیم
 ہوا زمین پہ جس سال آساں مسک
 ہوائے دہراگر ہو گئی کبھی فاسد
 سدا غریبوں کی امداد پر ہیں جو تیار
 ہمیشہ مانگنے والوں کو بے دریغ دیا
 نہ بچھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھ کر
 نہ پانی کھانے میں لذت نہ چین سے سنے
 دغا میں شیر گرد قبت رحم ہو ضعیف
 وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا آراج
 وہ چونک لکھے کہ گویا قیامت آہ پہنچی
 نشاط و عشرت و جاہ و دید کی ہے آنکھ لہوید
 ننا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف
 بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا
 جو ظلم حق ہے رعیت کے سر پہ شاہ و کن
 ہمیشہ جس کو ہے بہبود ملک مد نظر
 اٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اس کو
 جنہوں نے علم کا بجھتا چرخ اُکسایا
 جنہوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرہ پایا
 جنہوں نے لطف سے وحشی دلوں کو پرچایا
 کھلایا بھیکوں کو بے پوششوں کو پہنچایا
 مینہ اپنی داد و دہش کا انہوں نے برسیا
 نفعائے دہر کو خلق حسن سے مہکایا
 لیا سبھی حال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا
 نہ مانگ سکتے تھے جو ان کے گھر پہ پہنچایا
 انہوں نے لطف حکومت اسی میں کچھ پایا
 ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوایا
 کسی کی آہ سنی اور دل آن کا بھرایا
 جو شاہراہ میں پتا کسی نے کھرکایا
 جو در پہ آکے کوئی داد خواہ چلایا
 دل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا
 سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا
 نہیں ہے جس کا کوئی قریب شدہ میں ہم پایا
 تو عظم الامر اظہار حق کا ہے سایا
 رفاہ و امن ممالک میں جس نے پھیلایا
 پڑا اعلیٰ میں جہاں عقدہ اس کو سلجھایا

جنہوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما
 جنہوں نے ملک کے امراض کو کیا تخفیف
 جنہوں نے خلق سے اپنا بنایا غیروں کو
 خبر رسید کی تی جاہلوں کو دی تعلیم
 ہوا زمین پہ جس سال آساں مسک
 ہوائے دہراگر ہو گئی کبھی فاسد
 سدا غریبوں کی امداد پر ہیں جو تیار
 ہمیشہ مانگنے والوں کو بے دریغ دیا
 نہ بچھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھ کر
 نہ پانی کھانے میں لذت نہ چین سے سنے
 دغا میں شیر گرد قبت رحم ہو ضعیف
 وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا آراج
 وہ چونک لکھے کہ گویا قیامت آہ پہنچی
 نشاط و عشرت و جاہ و دید کی ہے آنکھ لہوید
 ننا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف
 بشیر دولت و دین صدر اعظم امرا
 جو ظلم حق ہے رعیت کے سر پہ شاہ و کن
 ہمیشہ جس کو ہے بہبود ملک مد نظر
 اٹھایا فتنہ نے جب سر فرو کیا اس کو

بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شور ی پر
 دکن کو جس نے کیا مرجع خواص و عوام
 نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نا فرمان
 بل انتظام کے رشتہ میں پڑے تھے بہت
 لگا گئے تھے وزیرانِ رستم جو پودا
 ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے بلکہ نئے
 زمانِ حال سے ماضی کو دیجے کیا نسبت
 خدا دراز کرے عمر اعظم الامرا
 زمیں پہ سایہ نکلن جب تک آسمان ہے
 حق کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر
 بھی بس اس کے لیے ہو گا مایہ نازش

مشیر کا رخ دیو دروں کو پھیرایا
 دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہاں میں بجوایا
 جفا و ظلم کو توڑا غمہ در کو ڈھایا
 سو تکلے کی طرح ایک ایک بل نکلوایا
 وہ صاحبی میں وزیرِ زمان کی پھل لایا
 کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہے شرمایا
 اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
 دکن کو جس کی حکومت نے دن یہ دکھلایا
 رہے دکن یہ حضورِ نظام کا سایا
 سو یہ چکا مہ ناچیز پیشکش لایا
 جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹۔ قطعہ مرتبہ ۳۸۰

تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شہستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہا در

مدار المہام سرکار عالی

فیض رب و المنن سے مرزہ اے اہل دکن
 دی بشیرِ دولت و دین کو وہ چیز اللہ نے
 جس کو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
 جس کے ملنے سے ہوا داد و ممنون قضا
 نائبِ دولت کا خنسل آرزو لایا عمر
 جس سے پایا دیدہ یعقوب کے نورِ بصر
 حق نے دی جس کے عطا ہونے کی ساد کو خبر
 جس کے پانے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر

جن کے بدلہ میں علی الیہم شانت پٹنگاں جو بضاعت ہو گد اکی اور دولت شاہ کی جس سے مستغنی دلی ہیں اور نہ عارف نے نیاز صدر اعظم کو دیا صد شکر خاق نے غفلت یہ پسر باریب بخت عزت خیر الوری صدر اعظم کی طرح دربار آصف جاہ میں دولت ثروت کو اسکی ذات سے لگجائے شان سیرت عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی ملک صفت جاہ میں سر آسان جاہ اور وہ

حق ہے ختم الایمانے پائے تبخیر و شہر جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر پائے عمر خضر زیر سایہ ہنس پدیر پایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر زیور علم و ادب سے ہو تجھے اس قدر جو ہر اخلاق فاروقی ہوں اس میں جلوہ گر رات دن رکھیں اجالا صورت شمس و قمر

۱۔ قصیدہ مرتبہ ۳۰۹

لے صفر کی دوسری۔ روزہ دوشنبہ مرجا ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا
ہم نے رکھا آگے جب بلدہ کی سرحدیں ہم پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا

۱۵ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی

اولاد میں ہیں۔ ۱۲

۱۶ یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۱۷۷ مطابق صفر ۱۱۷۷ مقام حیدر آباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد علی بہادر مع اکثر رفقاء کے جن میں سے ایک راقم بھی تھا بطور ریڈیویشن کے لندن کانٹری گھر کی طرف سے حضور سرکار نظام میں حاضر ہوئے تھے ایک جلسہ عام میں پڑھا گیا تاجاس کے صدر انجمن ذوق و ادب والا مرا بہادر تھے ۱۲ حالی

عزت قوی ترستی تھیں سدا آنکھیں جسے
 کبھی میں جس فخر کے پھر تے تھیں ایک ت سہم
 بھیک کو نکلتے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے
 پہنچے لینے ان کو وہ اعیان دار الملک سے
 قوم پر ہے جن کو خزانہ ملک کو ہر جن پہ ناز
 صدر اعظم نے ہمیں بخشا اقامت کے لیے
 ہم غریبوں کو سمجھا ایک سفارت قوم کی
 بیشتر تہاں تو آری کا فقط سنتے تھے نا
 کی ہر ذاب اقتدار الملک نے جو رحمت
 یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہے ضرب المثل
 ہے دکن کی وہ ہی شاہید مسافر پردہری
 دارت ملک دکن ہی آج وہ محبوب خلق
 ہم کہ ہیں و گھوڑیا کے عہد رافت میں پلے
 جانتے ہیں ہم کہ پتی ہے رعیت کس طرح
 کرتے ہیں کس منتر ادا فسون سے تسخیر قلوب
 کر لیا محکوم کے دل میں اگر حاکم نے گھر
 ہے ہی شاہ دکن کی نگہ بانی کی دلیل
 پوچھنے بچھنے کی اہل ملک سے حاجت نہیں
 دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ زار

اُسکے کچھ آثار دیکھے ہم نے یاں شکر خدا
 اُسکے بلدہ کے سولہ میں لگا اس کا پتا
 جھولیاں ڈالے گلے میں در بدر تے صدا
 دولت عالی کو جن کی ذات پر ہے اُنکا
 سلطنت کے جو ہیں اعضا اور وزارت کے قوی
 وہ سرایساں محل جو جس سے جنت کی نضا
 دی وہ عزت شکر جس کا ہونہیں سکا ادا
 اُسکے یاں سمجھے کہ ہی مہاں دوازی چیز کیا
 اُس نے کلفت کو سفر کی دل سے بالکل مٹوایا
 جو کہ جا پہنچا دکن میں بس دہیں کا ہورہا
 جو دکن میں آئے دی ہی وطن دل سے بھلا
 نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا
 امن و آزادی کی ہم نے کھائی ہی ہر سونہوا
 کس طرح ہوتے ہیں مقبول جہاں فرماں آدا
 کس طرح ہوتے ہیں دل میں خلق کے تخم دفا
 تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اُس نے آدا
 نگہ اپنے نگہ باں پر جان و دل سے ہی خدا
 اُن کی خوشحالی پہ انکی تازہ ردی ہی گوا
 خلق کو سرسبز دیکھا اُسکے یاں ان سے سوا

راہ میں دیکھتے تھے ہمیں کوہ اگر گردوں شکوہ
 عالموں کی سخت گیری سے ہیں سب زادیاں
 اغنیاء میں ہم وہ استغناء نہیں پاتے کہیں
 جتنی یا قیں ہیں سب کھیتی ہیں باہم میل جول
 ایک تہوار میں بے غدر ہیں سائے شریک
 دولت عالی نے حق سب کو برابر میں بیسے
 پارسی - ہندو - مسلمان یا سچی کوئی ہو
 ہنگویاں کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے بھولے سے کچھ
 قصہ کو تہ - بار جب ہم کو ملا دربار میں +
 دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصف جاہ تک
 حضرت الائنے جس شفقت سے کس نذیرِ نجل
 جس توجہ سے سنی رد داد قومی درس گاہ
 جب کالج کی علی گڑھ میں بسا ڈالی گئی
 جو لگایا تھا درخت اس کی ہمیشہ لی بھر
 اب - کہ وقت آکر پڑا تھا بانی کالج پہنچت
 مشکلیں جس طرح کی تھیں قوم کی اول بجل
 خود علی گڑھ کالج اور اسکے در و دیوار سب

سلہ یہ اشارہ ہی اس محل کی طرف جو کہ نواب دتار لال امر اپادرنے بلکہ حیدر آباد کے باہر جنوب کی پہاڑ پر
 زرخیز مرتع کے لیے رہنے کے لیے بنوایا ہے اور اس کا نام فلک نوا رکھا ہے - ۱۲۰

ہند میں باقی ہیں نہیں جب ملک اسلام کی
 کی ہی سرسید نے جو کوشش فلاح قوم میں
 پر یہ سرسید سے بیڑا پار ہونا تھا حال
 تھا پڑا سید کا سچ پوچھو تو خشکی میں جہاز
 ہے روایت۔ جبکہ ہجرت کر کے خم المریض
 ”جس طرح ہوتی ہی بانجی سانپ کی جانے پناہ
 ہے بلا تشبیہ۔ دارالملک آصف جاہ بھی
 ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان میں انتخاب
 تربیتیں اور فائز تھیں۔ مدرسے اور مسجدیں
 حج بیت اللہ سے جو ہر مسلمان پر ہے فرض
 اول آنا چاہیے یا اس استطاعت کے لیے
 خرچ سے ہاتھ اکسلاں کا ہوا اگر اتریں گے
 خواب آئے ہیں کن کے اسکو سوتے میں نظر
 ہند میں کرتے ہیں کوشش جو رفاہ خلق میں
 چلتے چلتے انکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہی جب
 ہے دکن کی اور مسلمانوں کی یارودہ مثال
 تھا جہاز اکسین معور اہل فضل و جاہ سے

جیسے جی ہونگی نہ اسکے طوقِ منت سے رہا
 اُس کو کہنے لے اہل مجلس اک زمانہ جانتا
 دولت عالی اگر بنتی نہ اُس کی نا خدا
 دولت عالی نے اس خشکی میں گنگا دی بہا
 پہنچے پیرتب میں تو یہ ارشاد یاروں سے کیا
 ہوگا نجا اب مدینہ بھی نہ پائی اسلام کا
 ہند میں اب مرکز اسلام بے رو و ریا
 دولت عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بلا
 سب کی ہوئی ہی مدد اس گھر سے بے چون چرا
 ہی دکن آنا مقدم۔ شک نہیں اس میں ذرا
 کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا۔ ناروا
 ہے دکن کی سمت وہ گردن اٹھا کر دیکھتا
 قوم کا بچہ بڈل سے جب ذرا آگے بڑھا
 اور مدد کو جن کی داں حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا
 کھینچنے کو اسکے جاتا ہے ہیں سے بینڈیا
 اک سمندر ہے کہ ہر سو جس میں ہو طوفان بپا
 لطمہ انوالج نے پرزے دیے اُس کے اڑا

لے ہاں بی = سانپ کا گھر۔ ۱۲ جب گاڑی یا چمکڑا بیلوں سے نہیں کچ سکتا تو بیلوں کی جوڑی کے
 آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہیں اُس کو بینڈیا کہتے ہیں۔ ۱۲

بچ ہے ہیں جو وہ ہر سوا سے ہستی ست دیا
اس محیط بیکراں میں ایک ذوق کے سوا
ہر مسلمانوں کو اپنے لئے کے جس کا آسرا
یار بس ذوق کو توجہ حوادث سے بچا
بال بال اپنا ہی جس کے شکر میں جگر ہوا
انجن کے منعقد ہونے کی دی جس سے رضا
جسکے قدموں میں یہ زیبا ہی کہ وہاں نکھیں بچھا
قوم کو دی عزت اور ان کی امیدیں میں بڑھا
ور نہ ہی حالی دکن کی دفتر تیرا پ دہوا
قافلہ سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

دوسرے دے تھے جو وہ ڈوب کر اچھلے نہ پیر
کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں ان کو نظر
یہ وہ ذوق فی اشل سرکار آصف جاہ کی
ہر دعا جس وقت تک پانی سمندر میں رہے
ختم کر حالی پاس صدر عظم پر سخن
تقویت سے جسکی ہر شکل ہماری حل ہوئی
پیراد اگر جان د دل سے شکر صدر انجن
جس نے قوی انجن میں بن کے صدر انجن
لیکے اذن صدر مجلس کیے پھر قصد وطن
باندھ لیجئے جلد اب خست سفر دہریہ کے ساتھ

۱۱۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ

بمقام حیدر آباد دکن

یاں بل کر دی ہے جو عزت ہیں سرکار نے
اول اس کا شکر کرے ہے ادا اور بعد از یہ
۱۲۔ ۱۳۰۹ھ میں جو راقم اور مولانا شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل ڈاکٹر
سر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علی گڑھ محمد علی کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں بحضور
سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے۔ اس موقع پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقار احمد شاہ بدیشی شاہ
میں منعقد ہوا تھا جس میں راقم اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے
شکر میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجن نے جگہ اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظموں پر
کئے گئے کہ یہ دولت فانی پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم

۱۳- ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ء

جو محمدؐ ای بچہ کنیل کا نفرین کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا

شکر اس نعمت کا یا رب کر کے کیونکر زباں
تو نے رکھا ہم کو یاں فقر و غنا کے دریاں
جب ہوئے بھوکے تو بخشی تو نے نانِ ناخوش
پر نہ اتنی بے حدہ و احتیاج جو گھر سے گراں
جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خشک
پر نہ ایسا ہو صراحی جسکی یاروں سے نہاں
ڈھانکنا چاہا بدن جب تو دیا تو نے لباس
پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکیں خود وکلاں
کھانے پینے کو کیے برتن ہمیں تو نے عطا
سو نے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
رہنے بہنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
لگنے جلنے کو دیے دوپا فویاں تو نے ہمیں
راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام
کوہِ سوراہ جن کا اور نہ خندق اور کنواں

۱۷ اس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیاء دونوں کی حالت سے بہتر نہایا گیا جو
موسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلبِ طلب سے دولت عزت نیکنامی
یا علم فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے ہمسر دین میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجہ سے وہ
لوگ مراد ہیں جو اپنی بہت حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکے۔ اعلیٰ درجہ
سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے
ترقی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس سے تشرل کرنے کا کچھ

النداد نہیں کرتے۔ ۱۲ حالی ۱۷ آئیں۔ ۱۳

کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
پر نہ ایسی تخت فرعون کا ہو جس پر گماں
سیم دزد وقت ضرورت ہو کو تو دیتا رہا
پر نہ اتنا ہو گہمبانی میں جس کی بیم جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز
پر نہ ایسی جس سے ہوں محسوس اہلئے زماں
نعمتیں اکثر ہیں بعد از مشقت تو نے دیں
تاکہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں
راجتیں اکثر تیرے تیں تکلیفوں کے بعد
تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم ان راحتوں کو راگماں

وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال

تخطا اور طوفانِ دونوں سے بچایا بال بال

الغدر اس فقر و ناداری سے سو بار الحذر
لوٹری جاتے ہیں جسکی بدولت شیر نہ
چاپلوسی بائے کرتے ہیں سفہوں کی فقیہ
ناکوں کے ناز بجا سہتے ہیں اہل ہنر
وزن میں علم و فضیلت جیتے ہی ہم سنگ کوہ
وہ سبک تر دانہ خود دل سے آتے ہیں نظر
فقر و حاجت میں نہ ہوا شان کو جب شکر و کرب
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے ہر
بھیک منگوئے ہر اکھلائے یہ چوری کر آئے
پت گنوائے آبرو کھوئے پھر لائے و ربدہ
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی
بھیک منگوئے ہر اکھلائے یہ چوری کر آئے
کہ زباں آلودہ اس کی شکوہ تقدیر سے
گر بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ
اُسکے زہر اتنا کہ ہو جائے ذائقہ نرم تلخ
کہ وہاں عام کی مانگے دعا اللہ سے
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زبرد زبر

بے حلاوت اُسکی دنیا اور مذہب اُسکا دیں خوفناک اُسکا ارادہ نیت اُس کی پُر خطر
رات اُسکی حسرت آگیاں اور دن اندھ لگیں شام اُس کی پُر نحوست اور شوم اُس کی سحر
گو کہ بدتر فقر سے یا رب نہ بھٹی کوئی بلا تھا۔ مگر ثروت میں اس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں

پر نہ دی ثروت سوا اسکے شکر کی طاقت نہیں

نشہ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال اس نے مرد و آزمائی تھی بہت شکل سنبھال
نفسِ مادہ اور اُس پر بھٹیڑ مال و جاہ کی ڈھیر ہے بارود کا دیکھ پتنگا جس میں ڈال
بادِ مصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں جس طرح مہذباتِ انسانی کو بھڑکاتا ہی مانا
ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہی نہیں نفسِ انساں میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال
دینہ مال و جاہ و کمالت کا جہاں آیا قدم اور ہوئے سلبِ دی سے آدمیت کے خصال
عقلِ عیسائی ہے جو افعالِ انساں پر حرام کر دیئے اُسکے لیے سب مال و دولت نے حلال
فقر میں تھا نفسِ دلوں و امانہ جس پر اُرسی آگے ثروت نے لیے پروا سطلے اُسکے نکال
خواہشیں یوں نفس میں بستم بدم بڑھے لگیں مغرب جس طرح دیا نہ کے گونا گوں خیال
آپ کو گننے لگا بالا ترازا بنا سے جنس چوینٹوں میں ایک نے گویا نکالے پڑ بال
مصرف بے زہ ہو جیسے قرضِ خواہشیں گھرا خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہی بال بال
جھاک پڑی طبعِ دنی گر بخل و خست کی نظر ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اُسکی وبال
اور اگر بھوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسراف کا پھر نہیں گنجینہ قادیوں کچھ آگے اُسکے مال
آگیا غالبِ طبیعت پر گر استغنائے حرص ہی سمندر سے بھی اُسکی پیاس کا بجھنا محال
بار پرتلوار کی چٹنا نہیں شانِ اس قدر جس قدر ثروت میں ہی دشوار پارتل غدا مال

گلشنِ دولت کے ہوں انگور ملیٹے بھی اگر

دیکھ لے رو بہ نفسِ دوں خداؤں سے خند

ہی عجب نیاسِ نعمت در مہمانی زندگی
چین و دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہی
فقر و ثروت فی الملک ہوں دنخ اور جنت اگر
وہلِ شیطاں کا چہرہ میں ایسی جنت کو سنام
اس کھن منزل میں ہی مٹا ہی اک بے خطر
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالتِ بین بین
اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک
شک ہو جاتے میں جیسے وہ بڑ کا خرد ناز
لذتِ فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا
جو گندمی ہے گدا پر اس سے ہیں وہ باخبر
ہو جان و دستِ بلی ہیں کچھ نہ کچھ بھینے ہوئے
اس لیے جب دیکھتے ہیں عشرتِ ابنائے جنس
ادب نہیں کیسے زبانِ طعن بے دردی سے وا
مست کی بے اختیار شنگیِ محصور کی

جنت اور دوزخ ہے سب اعزائیوں پر جلوہ گر

گندم اور زقوم دونوں ان کے ہیں پیشِ نظر

دل توانا در قوی یار دلی بہت اُن سے ہے
منظم ہر قوم و ملت کی جماعت اُن سے ہے

مشکلیں اکثر انھیں سے قوم کی ہوتی ہیں صل
 ہوائیں کے دم سے جو ہے گہری ہنگامہ آج
 ہی جہاں دولت ہی ہیں نظم دولت کے کھیل
 ہاتھ میں لگے ہیں جتنے عقل و دانش کے ہیں کام
 ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر
 آدمیت کی تھے ہیں ان سے سب چھوٹے بڑے
 یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں
 پاؤ گے انہیں طبیب نہیں ادیب ان میں خطب
 پاؤ گے ان میں مہندس پاؤ گے ان میں حکیم
 کرتے ہیں خلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
 انہیں قوموں کے ہیں مصلح انہیں ملکوں کے دلیل
 چھوٹے ہیں روح قومیت ہی انہیں راہیں

دم سے ہی وابستہ ان کے قوم کا سارا نظام
 یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

اگر نہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح پر نظر
 کیلئے ہی جس طرح بتیں و انتوں میں زبیاں
 گھائیاں فقر و غنا کی انکے ہیں دونوں طرف
 ایک جانب پستی فقر ہے اور دوسری ہمتی
 جبک پڑے کہ اس طرف تو مفت کھوٹے ہیں

ہیں مفسد گہر دیش ان کے فراہم ہر سہر
 ہوائیں بھی شہر سے یاں بچ بچ کے رہنا علم بھر
 اور رستہ بیچ میں ہے بال سے بار یک تر
 ایک جانب سستی و غفلت ہے اور کبر و بظہر
 وہ جو اٹھنے کیلئے حق نے تھے تھے بال دہر

ڈھل گئے اگر اس طرف تو اس بلا میں پھنس گئے
برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں
ہیں معطل اغنیا اور بے لاکو تاہ دست
جو قوائے انکو طے ہیں کام میں لائیں انھیں
فرض ہیں جو انکے فتنے خالق اور مخلوق کے
قوم ہو مگر ناواقف تو تقویت بخشیں اسے
گو نجات انسان کو مکروہات دنیا سے نہیں
کام دنیا میں سنوارے ہیں جنھوں نے قوم کے
سائے بھگاتے تھے بایں ہاتھ سودی دنیا کی کام

جس طرح اسلحہ کے رکن آئے ہیں تمام

قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہی آس جس کی وہ جماعت ہے یہی
اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو اگر اتفاق
یاں بیکل ایک لک ہی شہر اور ملک کا قائم مقام
راگماں جائیگا یا روں کا نہ یہ بیخ سہر
فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجتمع
تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے آئیں کام
قوم کی خدمت میں مضمر ہی رہو بیت کی شان

جس میں پھنس جاتی ہے کھلی شہد ملیھا جان کر
رہ سپر یہ طبعۃ والا ہو سیدھی راہ پر
سب کی پڑتی ہی انھیں کے دست و بازو نظر
تا کہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
انہیں سرگرداں رہیں یوانہ دار اٹھوں پہر
کیونکہ اسکے ضعف سے ہی ان کی قوت کو خیر
جی سے بچا گوشت سے ناخن چھٹا نا ہے مگر
تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
اور دائیں سے ہمیں قوم کی کرتے تھے سر

جس سے جان آتی ہی مردوں میں وہ طاقت ہو لی
رائی کو کرتی ہے جو برکت وہ قوت ہو لی
قوم جس دولت کی بھوکی ہو وہ دولت ہو لی
دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہو لی
راحتیں جسکی طفیلی ہیں وہ رحمت ہو لی
طے ہیں جسکی بدولت دل وہ ملت ہو لی
جس سے کل چلتی ہو دنیا کی وہ حرکت ہو لی
جو کہ پھو اتی ہو خادم کو وہ خدمت ہو لی

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار
کر رہا ہے قوم کے سرکل کو یہ مجمع وسیع
اتفاقاً کر بھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ہر کبھی افراط باران اور کبھی ہے قحط آب
کال ہو کر اس برس تو ہر سماں اگلے برس
دیگ تو پکیتے ہی یہ پکے گئی دھیمی آغ میں
انجمن ہے قوم کی ہنگامہ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ رومانی آبادی نہیں

۱۴۔ مسدس مرتبہ السلام

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی
لے بہان آباد لے اسلام کے دارالعلوم
تھے ہندو تھے ہیں لے۔ جتنے گردوں پر نجوم
زیب دیتا تھا لقب تیکو بہان آباد کا
نام روشن تھے سے تھا غنا طہ و بند آد کا
تیری طینت میں دلچسپ تھا مذاق علم دیں
ہند میں تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ میں
جیسے ائی تھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
تھی محدث تھے خیر لے پائخت تیری سرزمین

تھا فقہ بھی تیری خاکِ پاک کا

بیہوشیِ وقت تھا ایک اکِ فقیہ اس خاک کا

شاد و نادرد تھا قصوف میں کوئی تیرا نظیر آب و گل کا تیرے تھا گو یا قصوف سے غیر

تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں ہنہر تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا باز ابر جہاں میں کال ہے

تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گویا نایوں کا سب آگے تھا قدم آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم

جب کہ تو آباد تھا دنیا میں لے باغِ ارم بھرتے تھے تیرے اطبا بھی سیاحی کا دم

ہند میں جاری تھی سے طبِ یونانی ہوئی

شہرِ شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ در اک جہاں شیوہ بیانی سے ہی ان کی باہر

راسِ مٹی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر سرور کو ہوگی نہ راس اتنی ہوا اے غافل

حسنِ صورت میں اگر ضرب المثل نو شاد تھا

حسنِ معنی تیرا حقہ لے جہاں آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم جن میں مٹی اسلامی چار سو عالم میں صوم

دولتِ داقبال کا جب تک رہا تجھ پر ہجوم کھیتوں پر تیری اُپر تے تھے اُنکے جھوم جھوم

۱۵ سمرقند کے قریب ایک قطعہ زمین ہے یہاں کا سرور و خوبی و زیبائی و درستی میں ضرب المثل

۱۲-۶

۱۵ نو شاد اور خلیجِ دو شہرِ قدیم ترکستان میں تھے جو حسنِ خیزی میں مشہور تھے۔ ۱۲

آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کو فصلِ حسنِ ان

تیری سرحدیں رہا ہر ظلم و دانش کا سماں

جس طرح تھا افضل و دانش میں ترا مشور نام
تھے مدد میں بھی پر دیر سے بھوہرا نام
آدمیت سیکھنے آئے تھے تجھ سے خاص عام
شری و بدی تری تقلید کرتے تھے رام

رسم میں آئیں میں ادب میں اطوار میں

طرز میں انداز میں رفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال
ڈھل گئے سا پنچے میں گیا اسکے عادت و خصال
آکے بن جاتا تھا یاں نقصان انسان کمال
تیرے پر چھاویں سے ہوئی بن کر جاتے تھے سفال

آتے ہی انسان کی کا یا پلس جاتی تھی یاں

پاؤں میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں

تیرا مہرہ تھا اک عالم میں مرجع اور آب
آن کر لیتے تھے یاں ٹپسکی جہاں کے انتخاب
ہستے تھے اطراف تو آکے تجھ میں شیخ و شاہ
کر دیا تھا تیری آبادی سنے ملکہ کو خراب

جگھٹا تھا تجھ میں ترک و فرس روم و رنگ کا

دستہ تھا گویا کہ تو گھائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہے جیسے اقتصاد
ہر ترقی کی ہے حد ہر استہلاکی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا
وقت لے جان جہاں تیرا بھی آخر آگیا

گردشِ افناک کے ہونے لگے تجھ پر بھی مار

تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کر سنے بہار

تجھ پہ لے دارا مختلف انقلاب آئے لگے
غیبِ تجھ کو تباہی کے خطاب آئے لگے

طالع مشفق کے پیغام عتاب آنے لگے تیرہ بختی کے نظریا ہوں کو خواب آنے لگے

دولت و اقبال کا بندھنے لگا رخت سفر

تجھ سے لے دارالعلوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دارالسلام کر گئے دنیا سے رخت تیرے معنی اور امان

ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام

مجلسیں پر ہم ہوئیں زبرد زبرد یوں ہوئے

خانقاہیں بے چراغ اور رہ رہے ویراں ہوئے

پل نیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب مر گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب

جاگ جاگ آخِ رسد اکو سو گئے تیرے نصیب اس گلستاں سے نہ اٹھی پھر صدائے عنذیب

جن کو کھو بیٹھے نظیران کا کہیں پایا نہ پھر

جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر رگ گیا نظروں سے تیرا سب جلالِ جاہ و فر

جھڑ گئے رنج شرف سے تیرے سب لعل و گہر تیکو لے دارالخلافت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہی تیرے پاس نہ

لے گل پیر مردہ تیری کیا ہوئی بو باس نہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا بجھتے بجھتے تھا کچھ اک تو نے بس بھلا سا لیا

فانک نے یاں تیری پھر آگ لے وہ لعل بے بہا جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نامِ سلاست کا

عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چا گیا

خواب جو بھول ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و کنت قوم کی گوجھ میں کچھ باقی نہ تھی پر نہ کی عرض ہنریں تو نے اب بھی کوہی
اس بزرگی سے گزاری تیرھویں قے صدی پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویرِ ردِ اکبری

علم و دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم

دال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہرن میں ہوم

ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا تھا جہاں علم و ہنر گدوں کا پالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب جالا تھا ترا پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سینھا لالا تھا ترا

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم دالے علم کے دریا بہا کہ چلے یہ واعظان قوم سو توں کو جگا کہ چلے یہ
کچھ مخمور تھے کہ سحر اپنا دکھا کہ چلے یہ کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو چلا کہ چلے یہ

ایک تختہ رہ گیا تھی تیری ٹوٹی ناؤ کا

لے گئی میں فنا اس کو بھی لے دئی بہا

جاچکی تھی تجھ سے گولے شہرِ عظمت قوم کی ہو چکی تھی آبر و دت سے نصرت قوم کی
پر کچھ اک محمود وہاں کہم سے تھی پت قوم کی اٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ تمت قوم کی

کیا دکھا کہ اب دلائے گا سلف کو یاد تو

نازا اب کس پر کرے گالے جہاں آباد تو

تجھ میں ہر دلی کوئی اب ایسا مقبول جہاں؟ نازش دارا خلافت مرجع ہندوستان
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا اندھاں بچہ تجھ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا سیما اور غریبوں کا طبیب

خود طبعوں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہر کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا کیٹائے رہا واقعات زندگی کو نیچے گراؤں کے بیان

سمجھیں اگل فسانہ ناواقعات اُسے اور دانا ہے تعجب خیز الحی سیرت محمود خاں

یا دواک جو ہر الگ تھا جو ہر انسان سے

یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اُس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دارالشفاء خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانا باندا

مفت بیماروں کو اُس کے در سے ملتی تھی دوا فکر نہ رہا نہ کا تھا اُن کو نہ سنگہرانہ کا تھا

اُس کے استغناء سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا

اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال دولت کو سدا تھے برابر اُس کے نزدیک اغنیاء اور سینوا

گو طبیب درڈا کتر تھے شہر میں بے انتہا کوئی مفلس کا نہ تھا پریشان حال اُس کے سوا

کہتے ہیں جو دعویٰ ہمدردی نوبع بشر

اُس نے باطل کر دیے تھے اُنکے دعوے سرسبز

طب سلمانوں کی لی اُس کی سیما نے تمام ورنہ اب تک اُس کی ترکی ہو چکی ہوتی تمام

روغن طب جدید اور اُس پیمیل خاص عام درگاہوں اور دوا خانوں کا اُس کے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اُس کی خوبی کا مستر

طب یونانی گئی ملتی خلق کی نظروں سے گر

سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال حیل
 دیں مگر اُسکی میسجائی نے سب ایسے بدل
 طب یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل
 سلطنت اور عقل تھی جس فرج کی ہمت فرا
 ایک طاقت اُسکے حلوں سے ہوئی عہدِ برآ

گو کہ جاتے تھے شفا خانہ نہیں خاص عام سب
 پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض میں مایہ جیب
 خلق کا پھر ٹپاؤ ماویٰ اسی کا تھا مطب
 اُسکے بیمار و نکوہ گویا یوس ہوں یا جاں بلب
 سورتِ دبیر و معالج کی خطا کا ڈرنہ تھا
 موت کا ڈر تھا مگر ہلک ددا کا ڈرنہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر سرجن بھر دوسا جس قدر
 کرتے ہیں معلوم جو جوان سے امراض بشر
 وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے اُنکی نبض پر
 اُس کی اک اُنکلی پہ تھے قربان سو قمر امیر
 نارسانہ جس دور میں اہل صنعت کی جہاں
 جا پہنچی تھی نگاہ دور بین اُس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن - پیر و جوان خرد و کل
 تھے قوی پشت اُس سے ایسے جیسے پشنہ سی مکا
 جس کو نسخہ دیدیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں
 زندگانی کے اچھی کچھ اور دن باقی ہیں یاں
 گو کہ ماتم ملک میں ہے اُس کا ہر سو آج کل
 پر گئی اسے شہر تیری جاں ہی گویا بھل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب و چارہ گر
 جو کہ شخص مرض میں رکھے ہوں غائر نظر
 خلق کو تکلیف ہو جن کی رائے اور تدبیر پر
 شہر میں ہوں مرجع کل - ملک میں ہوں ثور

جمع ہوں محمودِ خواں کی ذات میں لگی کمال

ہے یہ سب ممکن مگر محمودِ خواں ملنا محال

رہتی اور راستبازی اس کی تھی ضربِ المثل اُسکے کاموں میں ریاضتی اور نہ باتوں میں غل

امتحان کے وقت جب تھا نظمِ عالم میں خلل راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو خل

کھوٹ سے اس آنچ میں نکلا وہ خالص اس طرح

آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کندہ جس طرح

وہ زمانہ جب کہ تھا دلی میں اک غمِ شربِ بیا نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غلِ پیر

اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجِ زن تھا جبکہ دریائے عتابِ ذوالجلال

باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا ویاں

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دو چار

یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرم سار شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر

جل نہ جائیں اُسکے شعلے سے کہیں خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پستلا عمیاں

ایک جانب تھی اگر خندق تو ایک جانب کنواں بال سے باریک تر تھی راہ اُن کے درمیاں

راہِ رود گدائیں تھے اور راہِ پر خوفِ خطر

اُس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ

مجرم دہے جرم میں تھا ماکوں کو اشتباہ عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ

جہرم پر دیوار و در تھے سب گواہ پر نہ تھا کوئی شفیع اُن کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اُس نے کی

اہل انصاف اس کو بھولے ہیں بھولیں گے کبھی

بالیقیں جن طرہوں کو اُس نے سمجھا جیسا مارشل لایں ثبوت اُن کی صفائی کا دیا

چین سے بیٹھا نہ جب تک ہو گیا اک اک رہا جو کہ تھے نادار کی اُن کی اعانت بر ملا

زردیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا

بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

تھے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی خوشی نہ تھی دی گواہی جس نے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی

بے گناہوں کے لیے وہ رات دن جگہ میں تھا

پانوں ایک اسکا عدالت میں تھا اور اک گھر میں

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابنا را الزماں تھی امانت جسکی اُس کے پاس ہلکی یا گراں

خوف میں پاس اپنے دکھا اسکو مثل پاسباں کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و امان

ایک عالم نا خدا ترسی میں جب بیباک تھا

اُس کا دامن تھا کہ ہر دھبہ سے بالکل پاک تھا

وضع داری میں نہ تھا اُس کا زمانہ میں بدل وضع میں اسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل

وقت کی تاثیر کا اُس پر نہ چلتا تھا عل انقلاب دہر کی زد سے گیا تھا وہ بالکل

اُسکے آگے ان نئے سانگوں کی کچھ ہستی نہ تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زیر دستی نہ تھی

کی مٹی جو بچپن سے طرز زندگی اختیار
اُس میں فرق آیا نہ وقتِ واپس تک زینہار
کوہِ راسخ کی طرح تھا ایک حالتِ پرتوار
وضع اُس کی جو کہ مٹی وضعِ سلف کی یادگار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر مٹی

عہدِ عالمگیرِ اکبر شاہ کی تصویر مٹی

سر پہ دنیا کے خلائق کا تھا گو بارگراں
پر ہر ایک حالت میں ہلکی پھول سی رہتی مٹی جاں
پابغل دنیا میں پر دنیا کے غم سے برکراں
بچ ہوا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادماں

ظاہر پابند تھا دنیا کی رسمِ دراہ کا

دل نگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اُس کو نہ کدوہات میں پایا کبھی
غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بیل لایا کبھی
دل کسی بادِ مخالفت سے نہ کسلا یا کبھی
تلخیِ ددراں سے چتون پر نہ ٹیل آیا کبھی

کی بسرِ دارالرحمن میں بزمِ عشرت کی طرح

عمر کا ٹی دوزخِ دنیا میں جنت کی طرح

مٹ گئی افسوسِ اک ایسی سلف کی یادگار
قوم میں جسکی مثال آئندہ کم دیکھیں گے یار
گل کھلائے گی سنہ گلشن میں اب بادِ بہار
رنگ ہو گا جن میں لیکن بو نہ ہوگی زینہار

کرتے ہیں جب ان حوادث کے نظرِ انجام پر

قوم میں اک ہلکوتا سا آتما ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافقِ روزگار
اہلِ علمِ فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے جاہل خیر دنیا میں نہ ہونگے کشت زار
جیسے مردم خیر تھے اسلام کے شہرِ ودیار

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں

سوج آتا تھا نخل جی پانہ چھپ جاتا تھا یاں

یابہ اب پہنچی ہے ہم میں ذوبتِ قضا الرجال ایک اٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحبِ کمال
دوسری مٹی نہیں دنیا میں پھر اس کی مثال ذاتِ باری کی طرح گویا کہ تھا وہ دیہال

ظاہر اب وقتِ آخر ہے ہماری قوم کا

مرتبہ ہے ایک کا اب ذمہ ساری قوم کا

سنے ہیں حالی سخن میں تھی بہت بے وقت کبھی نقیصہ سخن کے لیے چاروں طرف راہیں کھلی

داستانِ کوئی یاں کرتا تھا سخنِ عشق کی اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غریب لکھ کے دل یار دیکھ کر مٹے تھے لوگ

گہ قصیدے پڑھ کے غلٹ اور صیغے پاتے تھے لوگ

پڑی ہم کو مجالِ نفس اس محفل میں کم راگتی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم

نالہ و حسرت یاد کا ٹوٹا نہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھوڑنے پاسے نہ ہم

سینہ کو بی میں رہے جب تک کہ دم میں م رہا

ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۵۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۲ء مطابق سنہ ۱۳۱۱ھ

جو محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک آج جس پر ہیں جیسع اہل آرا یاں تو چمکے کرتے کیا کیس ہیں آشنا کا را

اس باغ میں بہا رہیں جو جو گزر چکی ہیں آنکھوں کے دہرہ دہے گویا سناں ہ سارا

کل جشن فتح تھایاں ہے آج جشن شادی
 بلبن کے آج ہماں خاقان ہیں اور سلطانیں
 فیروز شاہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد
 تغلق کا آج لشکر تیمور کے مہتاب بل
 مغلوں کے اڈ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت
 آتا ہے آج بابر لودی پہ منسج پیا کہ
 کل سوریوں میں ہر سو بجے ہیں شادیانے
 ہے جشن فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا
 جس دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر
 شاہ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا
 تیار ہی اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے
 اطراف ہند سے ہیں اعیان ملک آئے
 ارکان سلطنت ہیں سب پائے تخت حاکم
 ہر دم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
 صخر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا
 دو طمانا ہوا ہے ترمین سے شہر سارا
 بہر مدافعت ہے میدان میں صفت آرا
 تیمور سے زمانہ ہے برسبر مدارا
 ہیں شوق شاہ نو میں پر وجواں خود آرا
 مغلوں کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا
 اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
 ہے گردش اس کے آگے جشن قباد و دارا
 تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارا
 گویا کہ ہے جہاں میں جشن سدہ دوبارا
 پاکر حضور شاہ سے سب جشن کا اشارا
 بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں

پر جشن ان کے اب تک سب سب اتناں ہیں

لے خاک پاک دہلی لے تخت گاہ شاہاں
 ہنگامے اس زمیں پر لا کھوں ہیں گرم ہر سو
 پیش نظر ہیں تیرے سب انگے ساز و سامان
 پر کوئی جشن قومی آتا نہیں نظر بیاں

لے سدہ آگ کو کہتے ہیں جشن سدہ وہ جشن ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اول
 جمشید نے پھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا۔ ۱۲

تقریب جشن جس میں ہو کچھ نہ بڑا خوت
ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوتے ہوں آواں
پائین و صدر کا ہوجس میں نہ کچھ تفاوت
خرد و بزرگ کی ہوجس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بلا و احسا کم کا اور نہ قدغن
لایا ہو کچھ کچھ دل آن کو۔ نہ حکم سلطان
نادم ہوں جس قدر وہاں مخدوم قوم کے ہو
مخدوم جتنے ہوں وہاں سب قوم پر ہوں قرب
فاطر کسی سے چاہے کوئی نہ داں تو واضح
ہوں خود ہی میراں وہ اور خود ہی ہوں یہاں
ٹھیرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میر مجلس
چاہیں جھیں پائیں وہ آپ میر ساں
آئے ہوں اس غرض سے رہے تاکہ سو میں
دنیا میں کس طرح ہوں سر سبز پھر سماں
ہندوستان میں کیہ نکر باقی رہے نشانی
اُس قوم کی کہ تعالٰیٰ جن کے وہ زیر فرماں
نکلیں تو کیونکہ نکلیں ذلت سے وہ گھرانے
اغوا نے تھا یا نہ معا جن کے بڑوں سے پہلے
ان مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افانہ
جو سب میں ہیں بہر ذکر حند اے واحد
جن کے سبب ہے زندہ نام حدیث و قرآن
جو کچھ ہے بھائیوں کی قہر میریں وہ سر پر
محفوظا حادثوں سے کیونکر ہوں اُنکے ارکان
لے شہ نشین اسلام لے معدن سلاطین
اپنی طرف سے لیکن ہر سعی فرض انسان
لے شہ نشین اسلام لے معدن سلاطین

تو جشن گاہ مشاہاں ہر عہد میں رہا ہے

ایسا ہی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے

ناہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے
شوکت میں نہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوسے لگت کا ہے یہ قہر
کاغذ کی تھیں وہ ناویں پیرا یہ فوج کا ہے
بے رنج تھے وہ قالب ہر اس میں رنج خویشی
موج سراب تھے وہ یہ چشمہ بقا ہے
یہ نہ وہ بچھڑتے رنج ان میں گر یہ ہوتی
رہتا ہے آذیتوں میں رنج یہ وہ دین ہے

وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر
بس سلطنت ہی ہے بل بیٹھنا ہمارا
گم گشتہ بخت جس کو پھرتے ہیں ہونڈھتے ہم
وہ مشکلیں کریں گے اب مل ہیں بھٹیں کچھ
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجن کے
فوج لگا کر اکثر سمجھا ہے فوج دشمن
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہے جب ان
قدر ایسی عیلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو
ہوتی ہے دوران کی بنی ہے جان پر جب
گو سب جہاد اسے خطرے سے بے خبر ہیں
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایہ ہمارا ہے
لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا نہیں پتا ہے
جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
معدود ہیں وہ ان سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
حلہ ملک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
انساں سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
لاتے ہیں تب یہ نادیں جب بیڑا ڈوبتا ہے
پر رنگ نا خدا کا کچھ فتنی سا ہو رہا ہے
آفات بحر سے ہیں نا واقف آشنا سب

ہنستے ہیں نا خدا پر روتا ہے نا خدا جب

نکشن نہیں نکلی کے سب مٹ چکے نساں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش نکشن میں ہیں خاں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹاسی
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ نا خلف ہیں
فضل و کمال ان کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
کھینٹوں کو سے یو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
تم سے تھے تو فنا مو غرت کو قوم کی کھٹہ
پر چین سے غدا دل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
اور بیٹھے ہاتھ طے گلچین و باغباں ہیں
بے فکر دبے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جوان ہیں
رستہ کدھر ہے ان کا اور جا رہے کہاں ہیں
گر یہ نہیں تو با یادہ سب کہانیاں ہیں
کچھ کمر لو جو اٹھتی جو انبیاں ہیں
اپنے تو قافلے سب پاد رکاب یاں ہیں

ایک خضر رہنے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
 رستہ پہ بچھیں چلتے اب گئے کار و پاں ہیں
 خدمت میں انکی حالی کہتا ہے یہ ادب سے
 اس وقت رونق افزایاں تھیں ہر باں ہیں
 دنیا میں گرہے رہنا تو آپ کو سب بھلا
 درندہ بگڑنے کے یاں آنا ر سب عیاں ہیں
 عرصہ ہوا کہ ہمکو آنکھیں دکھا رہے ہیں
 قدرت کے قلم سے جو دنیا پہ حکمراں ہیں
 جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں تدارک
 قویں وہ چند روزہ دنیا میں یہاں ہیں
 گھر ٹال اور رنر چھ ہیں ان کو نکلے جاتے
 دنیا میں چھدیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
 سب بھلا و گر نہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
 بھیل اور گوند جیسے گنام و بے نشان ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں
 دھندلے سے کچھ نشان ہیں ڈر کہ مٹ جائیں

اشعار متفرقہ

ان میں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمائش سے خاص خاص موقع پر
اردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں

تمہید رقعة شادی عروسی

شکر کیجیے کوئی نعمت کا حقائق کی ادا
اُس کی قدرت کے خزانوں میں بہتیں ہرگز کمی
نہیں ترکو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو
کھیتوں کو مینہ دیا۔ ماں باپ کو اولاد دی
اُس سے ہے ایک نعمت اُسکی بندوں پر ہوا
جس نے جو مانگا وہی اُس نے ہتیا کر دیا
سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
اُس سے دی دنیا کو رونق اس سے آنکھوں کو صلا
کل چھٹی مٹی جی کی۔ ہیون آج آنکے بیاہ کا
تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام حشا
آؤ اُس کے شکر میں سب ملے باہم شاد ہوں

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو
گل دلالہ ہو یا ہو عطر و گل ب
لب آب یا محن گلزار ہو
سے دلفنہ ہو یا ہو چنگ وریاب

یہ سارے خوشی کے ہیں سامانِ جب کہ ہوں ایک جا جمع احباب
 بزرگوں سے محفل کی شوکتِ بڑھے عزیز اور پیادوں سے عزتِ بڑھے
 جہاں اس طرح جمع ہوں چار یا دو ہیں اُس بزم پر لاکھ گلشنِ نثار

ایضاً

شکر کہ از فضلِ خدا ہے جہاں دقتِ خوش از پردہ برآد عیاں
 شادیِ دل را سبب آمد بدست فرصتِ بزمِ طرب آمد بدست
 تا شود از مقدمِ اہلِ کرم کلبہٗ ما غیرتِ باغِ ارم

ایضاً

رفت آسیبِ زمستان با و نوروزی و زید دوست داراں را بشارتِ بادِ پیاراں را بویہ
 طحِ بزمِ حشری با ہمہ گر باید نہاد نغمہٗ شکرِ الہی دم بدم باید کشید

ایضاً

سلام من محبِ مسکینِ یلیہ الخیر والبرکات تتری
 سلام ردفہ روح و راح و بین یدیدہ للاحباب بشری
 ودعوۃ شہدین و غائبینا من الاخوان والخلوات طرا

ایضاً

فاطیبا لعیش فی الدنیا وارغداً وھینۃ بزیا رات الاحیاء

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرخ راہ یا داسنے کہ از مسرت یا ہاں مسرت اند و زند
 بہ شادی و طرب ہمدگر شود انباز ہزار رخ ز فردغ دے بر افرو زند

ایضاً

کار احباب ساختن بتوان دوستاں را خواشن بتوان
 تا بہ دہرا بر و یاد خواہد ماند از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل نام تمام

اس زندگی سے ہاتھوں میں ایک ن نہ پایا یہ جان ہے بدن میں یا حسد پر ہیں میں
 حاضر ہو جب دل ہی ہے باغ و رگیاں ہم دوستو گئے بھی تو کیا گئے چمن میں
 ہی اک خراش دل میں - ڈر ہے کہ بھرنہ آئے زخمی ہے قیرواں میں اور مشک ہی چمن میں
 تو اپنے بھوسے پن سے مشید ہوئی ہے ورنہ لے فاختہ دھرا ہے کیا سر و ناز و ن میں

ایضاً

کس قدر یاد و ہوا ہے انقلاب آگیا یادوں کے افرادوں میں مشرق
 خود بتا دے گئے تمہیں دور زماں بے وفاؤں اور وفاداروں میں مشرق
 اُن پہ ہم مشرباں میں دہ ہم پر نثار ہے بہت پیادوں میں اور یادوں میں مشرق

ایضاً

گردن ہو نیت گدا میں مشرق آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق

۱۵ افریقہ کے کسی علاقے کا ایک شہر - ۱۲ چین کے قریب ایک ملک - ۱۲

ہیں دنا دار اور بھی لیکن سہمی جاں و فادائیں فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یاد ایام کہ مٹی بارخ جوانی پہ بہار
نشہ میں چور تھے اک بادہ پُرمزہ در کے ہم
سر پہ وہ دیو قوی آکے چڑھا تھا اپنے
روکھا تھا نہ جسے خار نہ خندق نہ کنواں
رہتے تھے اس شرمست کی صورت بے قید
پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز
غیر خواہ اور تھے غم خواہ مرئی جتنے
دل کے ہجولیوں سے جان میں جان آتی تھی
اب اُسنگیں ہیں وہ دل میں نہ ترنگیں باقی

نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار
جس کا راحت میں نہ کلفت میں اُترتا تھا خار
یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کو اُتار
تھے ہم اُس آؤسین سرزور پہ دن رات سوار
ہاتھ سے جس نے شرباں کے تڑائی ہو بہار
اُنکی صحبت سے تھے اُستے ہی زیادہ بیزار
اُنکی صورت سے ہمیشہ ہیں چڑھتا تھا بخار
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار
تیرے لئے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

صدائے گدایانِ قوم

دھونڈھنے خضر مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
دُور ہے جو خوش دل ہیں نہ سن کر نہوں پر مرد دل

چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
سخت ہجرت خیر نے کرداں آئے ہیں ہم

لہ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باجمت لوگوں نے جنھوں نے اپنی جماعت کا نام
گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بھادلوپور میں چندہ وصول کرنے کے لیے جانے کا ارادہ کیا تھا ان کا مقصد
میں کے حضور میں یہ اشعار پڑھے گا تھا لیکن غالباً ان کا جانا نہیں ہوا ۱۲-

ہند میں اسلام کا پھولا پہلا پھل تھا جو چین
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
 قوم کھڑی تھی ہے جو عیسائیوں کی یادگار
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
 خود غرض ٹھہرائیں یا مگر ہم کو یا گدا
 غرض بے بجا ہیں ان کے قوم ہے جنگی ذلیل
 ہے بنی ہاشم کی ہماں پروری ضرب المثل
 تشنگی اپنی بھائی ہو گئی لے آپ حیات
 لیکے اُس کا مردہ فصل خزاں آئے ہیں ہم
 آج اس در پر ایک قومہ خزاں آئے ہیں ہم
 جستجوئیں سکی مشعل لیکے یاں آئے ہیں ہم
 اسیلے ڈالے گلے میں بھولیاں آئے ہیں ہم
 ذلتیں یہ کر کے سب طرناں آئے ہیں ہم
 خرد عزت کے مٹا کر نشان آئے ہیں ہم
 اسیلے یاں بن بلائے یہاں آئے ہیں ہم
 لیکے منہ میں قوم کی سو گئی زباں آئے ہیں ہم

مردہ قدم حضور شاہ زادہ ولیزور شاہ

مردہ ہوا اہل مشرق ابن پھرے تمہارے
 گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
 ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم
 بڑے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن
 ہماں ہے آج ان کا اُس شاہ کا ولی عہد
 مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہرتاں
 ہے ایسے گلہ باں پر گلہ کی جان مستیاں
 لے معدنِ بزرگی لے خاکِ انگلستان
 ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازاں
 روئے زمیں کے سلاطین جسکے ہوئے ہیں ہماں

لے چونکہ رئیس بھار پور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی

اس لیے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا۔ ۱۲

شکر یہ عطاءئے مدرسہ نواب غازی الدین خاں مرحوم
واقع اجمیری دروازہ دہلی بجنور سہرجمیں لائل فٹنٹ گورنر
بہادر پنجاب (از طرف) طلبائے اینگلو عربی اسکول دہلی

آئیے اے دلی کے دل آرا شہر دعا گو سب ہے تمھارا

شکر کا ہم کو گو نہیں یادا پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہے گا

ہے دلی کے فخر کا یہ دن شہر میں آیا شہر کا محسن

وصف تمھارا گو نہیں ممکن وہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر کیسے کیسے رعیت پرور

جن سے ہے ہندستان منور فخر ہے انگلستان کو جن پر

لے یہ نظم چونکہ متیرین طالب علموں کے لیے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہر ماہی سن کے رد و بد جمع ہو کر بطور
کو درس کے گانے کی لے میں پڑھیں اس لیے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادھے الفاظ
جمع کر دیئے گئے ہیں۔ ۱۲

جب تک شہر آباد رہے گا

نام مختار آباد رہے گا

اُرکلا دُرک احسان کا پستلا آدمی کی صورت میں فرشتہ

معاویہ پر فضل خدا کا تم نے جو دلی میں آئے بھیجا

جب تک شہر آباد رہے گا

نام مختار آباد رہے گا

آب دہوا سے شہر کی ساری آئی مٹی خلقت جان سے عاری

تم نے لگا کر نل اک باری چشمہ جواں کو دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا

نام مختار آباد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلم سب سے ہے یہ احسان مقدم

تھے تعلیم میں کم سب سے ہم تو نے مدد کی اپنی پیہم

جب تک شہر آباد رہے گا

نام مختار آباد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے پانچ برس کو ہم کو ملے تھے

لطف سے میعاد اُن کی بڑھا کے جیت لیے دل آپ نے ہم سے

جب تک شہر آباد رہے گا

نام مختار آباد رہے گا

مدرسہ نقابے محمود ہمارا نقابہ کہیں ٹکینے کا سہارا

مانگے تانگے پر تھا گذارا مٹ گیا اب نجان یہ سارا

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا راجا آباد رہے گا

آپ کو ہم پر رحم جو آیا گھر یہ عطا ہم کو سہرا یا

حکم مرمت کا بھجوا یا ڈسٹے پھوٹے کو بتو یا

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا راجا آباد رہے گا

درس کے کمرے جس میں ہیں اکثر قدر ضرورت سے کچھ بڑھ کر

بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر کھیلنے کو میداں ہے سرا سر

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا راجا آباد رہے گا

شہر میں جا کا لچ کو عطا کی کیس اصلا میں آب و ہوا کی

شہر کی جو حاجت تھی روا کی شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا راجا آباد رہے گا

تم میں ہیں جو موجود فضائل وہ نہیں کچھ محتاج دلائل

لوگ سب انکے دل سے ہیں قائل ادا! ستر لائل - ادا! ستر لائل

جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا راجا آباد رہے گا

اشعار مدحیہ

بعض سر ڈھیں فطر پیرک لفظ ٹ گور نہ ہا در پنجاب - انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احسان بہاں
اس کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا یہ احساں
مکراں آئے ہیں پنجاب پہ اب تک جتنے
ایک سے ایک کا پلہ ہے عدالت میں گراں
جبکہ سر چاپس نے پنجاب کو چھوڑا اُس دم
وقتِ رخصت تھا ہر اک اُنکو بہ حسرت نگراں
حال جو ہوتا ہے بچوں کا بچہ گرماں سے
یہی احوال تھا پنجاب کا بے دہم دگساں
جانشین اُن کے ہوئے اُن کے جب سر لائل
عہدِ سابق کو گئے بھول سب اُنائے زماں
شکر سے عہدہ برآ اُس کے نہیں ہو سکے
رحم و انصاف ہوا ذات سے جو اُن کی عیاں
اُٹھ گیا سر سے جب اس ملک کے سایہ اُن کا
باقہ میں آپنی آ کے حکومت کی عیاں
کار فرما تھے جب افلاخ میں پنجاب کے آپ
معدلت آپ کی اس وقت سے مشہور ہے یاں
حیدر آباد میں - میوہیں - کلکتہ میں
ہے یہ اب آپ سے اُمید کہ پنجاب میں بھی
بعد سر لائل و سر چاپس کے سر ڈھیں بھی
نیک نامی کے کیے کام رہے آپ بہاں
مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آساں
چھوڑ جائیں گے ہر اک دلیں عقیدت کے نشان

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل ربا اُمیدیں جن پر کہ تو ہے شدید
جب دور تیرے دل سے ہو جائیں گی سراپا
وہ عالم جو انی جس پر کہ تو ہے مفتوں
جائے گا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہے تو نے اُسکو
تھا جو کہ تجھ کو اپنا آرام دل سمجھتا

پل دینگے جب نہ سارے آن بلبلوں کی مانند
 جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
 بے مہروں سے تو نے جس کو کیا ہے نگیں
 جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جا کر
 بعد از بہار جو رخ کرتی نہیں چمن کا
 کون آکے دیکھا تجکو اس کے سوا سہارا
 تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا
 پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملنا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا
 تو ہے سرمایہ عزت یا میں
 ہے زمانہ میں بڑی بات تری
 وقت سے میں کہ یہ دولت کچا
 ہے عجب جس کو خدائی مانے
 سیر ہے گلشن دنیا مجھ سے
 نام اقبال ہے آنے کا مرے
 مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما
 لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال
 خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں سگر
 چند روز آگئی میں جس کے کام
 جس سے مجھ کو نہ سود کا رہا
 تھہ ذرا جس کو نکالیتی ہوں
 سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کبیا
 تو ہے انسان کی دولت یا میں
 دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری
 تجکو اسے وقت نہیں عقل ذرا
 اُسکی تو خوبیوں میں شک جانے
 لیتے ہیں تو شہ عقبت مجھ سے
 لقب او یا رہے جانے کا مے
 علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
 لاکھ رکھتا ہو کوئی لحن و جمال
 میں نہ ہوں تو نہیں کچھ قدر بشر
 زندہ تاحشر رہا اُس کا نام
 وہ سدا خواہ دنگوں سا رہا
 اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں

چاہتے ہیں مجھے سب بخرد و کلاں
 گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو
 کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا
 ہیں رکھائی سے مری سب لڑاں
 جس سے دنیا میں نہیں راہ کروں
 الغرض ہے مری وہ شانِ عظیم
 جڑ سمجھتے ہیں خوشی کی محکم
 تو بتا خسر ہے تجھ میں وہ کیا
 وقت نے سن کے کہا اے دولت
 ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے مگر
 تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی
 کچھ فرض تجھے گر چشمہ
 میں ہوں یا تو ہے اس میں مکاں؟
 تو جو کبھی ہے تو رقبہ میں ہوں
 ہے قرا بہ تر اگر عطر آگیاں
 ہے عبث تجھ کو تقدیر کا خیال
 جن کے قبضے میں ہوں میں لے لیتا
 لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو
 اُن کی ہتھی میں تو تو لے دولت

پھرتے ہیں دھن میں مری پُرجواں
 کسی آغاز کا انتخاب نہ ہو
 درمیاں گر نہ قدم ہو میرا
 میرے اغراض سو ڈرتا ہی جہاں
 ہو اگر شیر تو رہو باد کہ دل
 کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
 میری غفلت نہیں باورِ تحسین
 جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
 شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
 اپنی حسرت کی نہیں کچھ تحسین
 اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
 تو ہوں اس چشمہ کا میں سرچشمہ
 پہلے دریا ہے کہ چھلی ناداں
 تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
 میں ہوں اس عطر کی دانستہ زین
 تو ہے گر مال تو میں اس المال
 تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
 بڑھ کے جاسکتی نہیں آگے تو
 طائرِ رشہ بیا کی صورت

نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود
 کھو کے جھکو کوئی پاتا نہیں پھر
 ایک پل میری اگر دیکھے گنوا
 تو اگر اپنی لٹا دے نر و نر
 ہیں اسی واسطے جو اہل تیز
 میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس
 جانتے ہیں حکما و عسرفا
 دل میں جھکے مری کچھ قدر نہیں
 نہ کوئی کام ہو ان سے انجام
 نہ انھیں دین کی دولت ہاتھ آئے
 نہ ادا صوم ہو ان سے نہ صلوة
 نہ ددان سے کچھ اپنی کی جائے
 نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
 ہے مگر تنگ حبال فرصت
 بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو
 جس کا نامیاب ہے عالم میں وجود
 جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
 لیجے ہاتھ اس سے ہمیشہ کو اٹھا
 پل دہلتی نہیں پھر لے دولت
 میری ایک ایک پل ان کو ہر عزیز
 ہے مرا جاگتے سوتے انھیں پاس
 مجھ کو سرمایہ دین و دنیا
 ان کی قسمت میں نہ دنیا ہو نہ دین
 نہ ارادہ ہو کوئی ان کا تمام
 اور نہ دنیا کبھی ان سے پتیا لے
 نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
 نہ خبر ان سے کسی کی لی جائے
 ہے مگر تنگ حبال فرصت
 بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہے میرا سرا سر نقصان

کہ ہے انمول بری ایک ایک آن

ناقصوں کے دعوے کاملوں کے سامنے فروغ نہیں پاتے

ہے لیاقت جن میں کچھ قدرے قلیل	اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل
اُن کو ایسوں سے نہیں ملنا روا	جو لیاقت رکھتے ہیں اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں	دیکھنا لازم پہاڑ اُس کو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر	شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیے دن کو نہ نکلے زینہ سار	در نہ ہو گا اپنے جی میں شرمسار

قطعات تاریخ اور تاریخی جملے

مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادہ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے اور کبھی ایسی ضرورت پیش آتی ہے تو نہایت دقت سے اکثر قریب یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اس کے بھی تاریخ سرانجام ہوتی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادہ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اُس پر صرف مصرعے نکال کر تاریخ کے غور مالک کا بین بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ کوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہے اس لیے اکثر طوطا و گویا یاروں کی فرمائش سے اور کبھی کبھی اپنی آغ سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں۔

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گزشتہ کے لیے آیا کرتے تھے ایک روز فرمائے گئے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعوے کیا۔ لوگ ایک نقل کو بندہ کے اُس کے پاس لے گئے کہ اگر تو فی الواقع خدا کا بھیجا ہوا ہے تو قیل و غیر لکھی کے کھول دے۔ اُس نے کہا کہ بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آہنگری کا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ ہم نے خدا کی طلب میں۔ دینی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانہ بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک

میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بہ نام ہیں۔ وہ اور تو کسی مصروف کے سمجھے نہیں جاتے اور درحقیقت ہیں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی ان سے اُس وقت متعلق ہو جاتی ہے۔ جب کوئی مہتمم بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے مثلاً کسی کے مطبل کی مرمت ہوئی یا گھوڑا آئینہ کیا گیا یا کسی کی مینا مرغی یا مرغ پالی جیتا یا بلی نے بچے دیئے۔ ایسے وقت میں شعرا کو مقابلے کے امتحان کا موقع مل جاتا ہے۔ جو شخص مادہ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمائش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہے۔ اُس کا فی الجبرہ اعتبار بڑھ جاتا ہے۔ رافضی چمکے تاریخ نکالنے میں سدا کا ہتھیار تھا۔ اس لیے ہمیشہ اس امتحان سے کتراتا رہا۔ لیکن بڑی بھلی چند تاریخیں جو کچھ کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمائش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھیں ان میں سے جس قدر سہرہ دست ہم پہنچیں دیوان میں شامل کر دی گئیں تاکہ دیوان کے ضروری اغلاط میں سے ایک خلط کم نہ ہو جائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روئے روضاں کی راہ لی
اُس دن کچھ اہل شہر کی انسردگی نہ بوجھ
حالی کہ جس کو دعویٰ تمکین و ضبط ہے
تھا گو وہ اک سخنور ہندوستان نزا د
اس تاغلہ میں آئے بلا گو وہ سب کے بعد
ہر لب پہ آہ سر دھتی ہر دل میں درد تھا
دنیا سے دل ہزا اپنے پرانے کا سر دھتا
دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
عرفی و انوری کا لگہ ہم نمبر دھتا
اگلوں کے ساتھ ساتھ گر رہ نور دھتا

ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جانگزا دل تھا کہ کچھ سال میں بے صوفہ گرد تھا
ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا (سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا)

تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر سیکر

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

تاریخ وفات محمد ابراہیم خواں مرگ طالب علم بی اے کلاس ہائی کالج

محمد ابراہیم خواں ترک جاں گفت ز خنجر جوانی شہر بر خورده

بقلم زردی الم سال فوٹش بجاں آفریں جان شیریں سپردہ

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر دیر مرحوم دہلوی

جب ہوئے ناصر دیر راہی ملک بقا سب ہوئے اندوہ گیں شہر کے بڑا دبیر

دل نے کہا ہر جگہ بھلتی ہے چیز اک جدا باغ میں نسرتیں گل پرغ یہ چہرہ شیر

بش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ مرگ غیب سے آئی ندا - علیہ میں ناصر دیر

لے یہ تاریخ خود غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ ان کی غزل کا مقطع یہ ہے

یہ لاش بے کن اسد خستہ جاں کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰

نصرہ کے اعداد ۲۴۹۹ ہوتے ہیں۔ جب ان میں سے لفظ تاریخ کے عدد یعنی ۱۲۱۱ اور

لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تجزہ کیا گیا ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال وفات ہے

نقص صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۴۹۹ - (۳۰۰ + ۱۲۱۱) = ۱۲۸۵

تاریخ طبع جغرافیہ بمبئیال مؤلفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن مبادہوی

وہ جغرافیہ جس کی کئی احتیاج
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ
نئی طرفہ تر اس کی تاریخ طبع
اگر سال ہجری کی ہے جستجو
ہو مطلوب تاریخ گمر عیسوی
چھپا تر وہ لے طالبان کمال
عیاں جس سے تاریخ مکوں کا حال
وہ خود طرفہ ہی جیسے بے قیل و قال
تو "جغرافیہ" خود بتاتا ہے سال
کہو اسکو "جغرافیہ بے مثال"
۱۰۳۰ھ ۱۰۳۱ھ

تاریخ یہ پایاں رسیدن بنائے سید مہربان علی مرحوم رئیس گکلاؤ کھٹی در بلیست شہر

علی آں سید دالا کہ باشد
بود با ذات او توام سیادت
چو این کا شانہ را بنیاد بنہاد
نگر و س آں فیض گستر کن و جودش
چنین نوشت حالی سال تہمیسہ
بنامش مہربان جزو سے ز اجزا
چناں کہ نام او ہرست پیدا
بعہد حاکم بیدار و دانا
شد این معمورہ چوں گلشن سراپا
مکان بے نظیر آباد یاد ادا
۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴

تاریخ اور رنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر
محبوب علی خاں بہادر فرمانروائے ملک و کن

سال فرخ و ماہ سعید در روز فرخندہ
بر تخت سلطنت نشست حالی گفت تاریخش

تاریخ تالیف اعداد و مولفہ خواجہ شہاب الدین حسن عیاد ہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جن کا
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ
وہ جو اس کا ہے گو سب کو خیر
جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب

بیان ثانی ہے اور ترتیب حکم
زیادہ جسم میں اور نفع میں کم
کہ ہیں جن میں قواعد سب فراہم
یہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم
نہ دینا اس میں لگتے ہیں نہ دہم
تو ہے اسے طالبو "اکسیر خطم"

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم دہلوی

در داکہ ضیاء الدین احمد برست
از طاق دیوان و نیرزم جلا

رحمت سفا از جہاں کہ جائے الم است
بگستہ یہ رحمت الہی پیوست

۱۱۰
۶۸
۲۹
۹۴

۹۹
۴

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جہاں مرد آزادہ عاشق کہ نیست
نہ میا دو ہوا نہ از حسن خلق

دراقران خود کس مراد را ستیز
پئے صید آزادگاں در کیس

نہ ستارہ پیوستہ نہ افسون نطق
کشد ز آشیان باز و شیر از عریں

ہی بارہ از جہہ اش انبساط
اگر ہمدان ست دگر خشکیں

نہ بینش گہ سر کہ برابر و اں
نہ یا بیش افتادہ چیں جربیں

دو سال ست کافورن ہرود فاش
رہود ست مہرم نہ جان حسزیں

۱۵ یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء الدین احمد کے اعداد ہیں۔ ۳۲۱ جو کہ طاق دیوان۔ نرم اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے۔ تخریج کر کے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الہی کے اعداد ہیں ملائے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے۔ مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے۔

$$۹۲۹ = (۶۹۴) + ۶۰۸ = (۹۴ - ۲۹ + ۶۸ + ۱۱۰) + ۶۰۸$$

۱۵ عربین = بن، کچھار۔

دلے دیر پیوند نا آشنا
 ندانم کہ عاشق چہ افسوس دید
 سر رشته بیہات دادم دوست
 کنوں زانم از طبع دیوان سخن
 دریں روز با کنز مروت زمان
 عروس سخن مے نیر ز دبو
 صد آباد بر عاشق و عنیم اد
 زمینی بہ بیگانہ آشنا
 چو دیوان اردوے عاشق کہست
 بہ پیرایہ طبع آراستند
 سخن کش نبود از نشہ در جہاں
 چو حالی ہے جنت تاریخ طبع
 کہ بودست فارغ ز بہر وز کیں
 کہ در باخت خود را بہرش چنین
 سخن ز آساں بود و رفت از زین
 کہ شد جلدہ سہرا بہ توسعہ گزین
 سخن شد جہاں و سخنور ہمیں
 بحسن ابر بود غیب بہا حور عین
 کہ در دور نا ساز گاری چنین
 نشان دست گنجینہ از آستین
 صنم خانہ طہر نہ گفستی زمین
 شنیدند از ہر کنار آستین
 نشان دی نہ گنجید در پوستین
 صنم خانہ عاشق آمد سنین
 تاریخ بنائے چاہ در محوطہ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع
 علی گڑھ بحباب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

بحسن سعی جناب نریل سرسید احمد خاں بہادر

بدایت کچھ گر سال ہجرت کی محرم سے
 کلام اللہ اتر آخراہ مبارک میں
 تو کہیے سال بعثت کا مہ سوال کو میدا
 ہوا اسوا سے سوال مبادا سال بعثت کا

نکاسے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے
 زور سے مدلل بعثت چونکہ حق تاریخ کی خوش
 بنایا جس نے دارالعلم میں پرستہ زیبا
 کہا ہاتھ نے حالی سے کہ چشمہ فیض احمد کا
 ۱۲۱۲ ہجری

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارہ تعلیم عام نے
 دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی
 ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
 اس ترجمہ اسی کا مرتب ہوا ہے خوب
 ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب
 دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب
 چھپ کر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا

تاریخ بنائے ہماں سراد موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحسب کرم آں وزیر حیدر کہ باقی است
 ساختہ نثری ہے جو بہر غریباں
 نام بزرگان مون زبذل و نوازش
 تکیہ گہ ہر غریب آمدہ سالش
 ۶۱۸۷

بارگاہی

بنا و فوات

رئیس

جزا

آیہ قرآنی

مرد کی

بہا آصف

نہما روح

چونکہ

سفال

ت کے

نہایت

شاہد بہشت

تاریخی جملے مقبلس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفرال مآلیناب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم دہلوی
رئیس جہانگیر آباد مخلص بہ سرتی و شیفہ

جَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّاتٍ وَحَرِيرًا ط

آیہ قرآنی میں بِمَا صَبَرُوا جَنَّاتٍ وَحَرِيرًا ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں
ایک عدد کی کمی رہتی ہے۔ اس لیے جَنَّاتٍ کی جگہ جَنَّاتِ کر دیا گیا ہے۔ جیسا
کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے رُوحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّةٌ نَعِيمٍ
کے ہمارے رُوحٌ وَرِيحَانٌ وَجَنَّاتُ النَعِيمِ کر دیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بے نظیر
مہر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے۔ اس لیے اس آیت کا مضمون انہی
وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا یعنی جناب باری نے بعض اُن کے مہر
بہشت اور بہشت کا لباس اُن کو عطا کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خاں مرحوم ولد اوسط
نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد

وَحَلُّوا أَسَاوِرَهُمْ فِضَّةً

(۱۲۹۴ھ)

چونکہ عزیز موصوف ایک وجہ و تشکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنقوداران نے کہا
شباب میں واقع ہوئی تھی۔ اس لیے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب
مناسب اور موزوں سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے: **وَلَمَّا كَانَتْ**
کہ ”پنہائے گئے اُن کو چاندی کے کنگن“ بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ یہ تاریخ
استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اُن کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام
حقوق اُن کو مل سچکے۔

یہ ایک عجیب حُسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات
قرآن مجید سے برآء ہوئی۔ پھر ایک ہی صورت یعنی سورہ دھر سے نکلی اور
دونوں آیتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ دریا ستگاہ بھاؤل پور

كَانَ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِيرِ

قرآن مجید میں اہل آیت ”اِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنَ الْقَوَارِيرِ“ ہے تاریخ

میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام اذہ کی جگہ کا اذہ کر دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اس لیے قواریر میں الفت، لام بڑھا کر القواریر کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سیا کی بادشاہ زادی بتھیں اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اس کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی پھرا ہوا ہے۔ اُس نے فوراً پانیچے چڑھا لیے۔ حضرت سلیمان نے کہا "اِنَّهُ صَوِّحٌ مُّتَوَدِّعٌ قَوَارِيرٍ" یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنائیں اذہ کی جگہ کا اذہ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا وہی سلیمان کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اُس وقت بھاول پور میں ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا سنایا تھا کہ پسند نہیں آئی نہ اس لیے کہ اُس میں دو جگہ اپنی طرف سے تفرق کیا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اس میں نہیں تھا۔ (اِنَّ اللَّهَ فَاعِلٌ اَلَيْسَ لِرَبِّعُوْنَ مَرْتَبٌ)

تاریخ ولادت فرزند درحرم سرلے نواب سر آسمان جا بہاؤ

مدار المہام سرکار عالی

لحاشیہ اللہ ما ہذا بشرًا۔ اِنَّ هَذَا اَمْلَکٌ کَرِیْمٌ

اس آیت سے سنین مطلوبہ ۱۳۰۸ھ اس طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ ادنیٰ یعنی

الحاشیہ ماہذا البشر کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں ان میں سے ہذا کا تحریف اور مَلِک کر کے بچائے اس کے تسمیہ کرنے سے ۱۳۰۸ حاصل ہو جاتے ہیں۔

تحریف و تسمیہ کا اشارہ گویا ”اِنَّ هَذَا اِلَّا مَلِکٌ کر کے سے نکلتا ہے کیونکہ اس جملہ کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے ”هَذَا“، مگر ”مَلِکٌ کریم“ تو اس سے یہ مطلب مستفاد ہو گا کہ اوپر کے جملے میں هَذَا کی جگہ مَلِکٌ کریم رکھ دو اور اس طرح ۱۳۰۸ حاصل ہو جائیں گے۔

اصل آیت میں حاشیہ ہے بصورت لام اضافہ کر کے الحاشیہ کر دیا گیا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے حاشیہ اللہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو ہو نہ ہو کوئی معزز فرشتہ ہے، جو عورتیں دنیا کی فریفتگی برائے کو طاعت کرتی تھیں جب حضرت یوسف دفعۃً اُن کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے منہ سے نکلے تھے اُن کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات مہینہ برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

مخلص بہ منظر

سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ الصَّٰطِفِیْنَ

۱۳۰۳ھ

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز بعد عین ملاقات کے وقت قرآن مجید سے

اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مادہ
نہایت سے خالی نہ تھا۔ اس لیے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخوں کے ساتھ اس
تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ مرقد پر جو کہ
دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے جوار میں واقع ہے کندہ ہے۔
قطعات تاریخ از تنائج طبع جناب خواجہ ابراہیم رحیم

مخلص بہ نظر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے
اور ان کی اشاعت کے لیے کوئی اور موقع نہ تھا اس لیے بطور یادگار کے ان کو
بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے۔

تاریخ وفات جناب لیلنا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ
مخلص بہ عالم

آن قلندر علی وحید زمان	در نجابت زبیری و سندی
خاک پانی پت از سکونت او	در جہاں شد علم بہ مستندی
مردہ باغوش بر دھکت و علم	ماند خلق بہ کوسے نابلدی
جز دل اد کہ بود جلد صفنا	نقد ہر کیسہ جید دست وردی

جز کائناتش کہ بد ہمہ حسنات درج ہر نامہ نیکی ست ویدی
گفت سال وفات او مظہر رفت عالم بہ جنت ابدی

۱۲۹۳ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرستہ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آن یاری گزوم کہ مراہل وطن را بود یا و ر
سوئے جنت ز دنیا رخت بر بست اندیس غم تافت و لہا ہنجو آذر
در بخت آن نیک خواہ جلہ احباب در بخت آن نگار ہر برادر
در بخت آن درس نگاہ اہل اسلام کہ ماند از مژدہش بے برگ بے بو
چنین سال وفاتش یافت مظہر شدہ جنت مقام سعد اکبر

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصف جاہ نظام الملک

میر محبوب علی خاں بہادر رام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہ دکن چون نہاد حسب مراد عباد افسر دولت بہ فرق پائے برادر رنگ داد
سال جلوسش خود گفت کہ بے سر شدہ ختنہ و فسق و فجور شمر و فریب و فساد

۱۳۰۱ھ

۱۲۔ کتاب سے مراد نانہ اعمال ہے۔ ۱۲۔

۱۳۔ مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے۔ ۱۳۔

ایضاً

عیان شد چو عید جلوس نظام
بسی خوشتر از عید میل حبیب
خود فرق اعداد تراشیده گفت
که تصور من الله وفتح قریب

رخ ولادت فرزندان چمند در کاخانه اقبال حضور نظام

دام اقباله

چو خورشید شرف طالع بشکوه نظام
قدسیان گفتند شمع ملک دولت آمده
بهر اندر فکر تاریخ ولادت رفته بود
عقل گفت این عمل از کار شرافت آمده

رخ مدارالمهامی نواب میر لایق علی خاں مرحوم رکن عالی

دوش کردم ز عقل چند سوال
گفتش که بود که شاه و کن
گفت جشن جلوس مسترخ او
گفتش پس که باشدش دیوان
گفتش سنگها درین راه است
گفتش خواجہ کے شود دیوان
گفت "حق میر سید بکر کہ خود"
گفت "حق میر سید بکر کہ خود"

تاریخ بناؤ مرت مسجِد مولانا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری
اشناعشری پانی پتی دام ظلم العالی

جعفری منہجے بنائے سود بیت حق را کہ عظم ست قدیم
خبرش داد ملہم صادق کرد تمہید کعبہ ابراہیم

سے بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور ان کے چچا کا نام جعفر علی
اور داد کا نام صادق علی تھا یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعہ تاریخ میں عنایتِ غیبی سے آیا ہے

شکریہ

دیوانِ حالی کا یہ نسخہ جناب غلام احمد صاحب بی س لے، دہلوی استاد جامعہ
طیہ اسلامیہ دہلی نے بڑی محنت اور توجہ سے تصحیح فرمایا، کاپیاں اور پروف پتچوں کے ادیب جناب
نجیبی صاحب نے پڑھے۔ مولانا حالی کے ان دو نو بہرستاروں نے یہ خدمت کا بہ ثواب سمجھ کر کی
ہے، مگر ہم ان کے بہ دل شکر گزار ہیں (ایک آدمہ جگہ تھوڑی بہت کسر پھر بھی رہ گئی، تاہم اُمید ہے
کہ مردِ بخشنوں میں یہ نسخہ خدا چاہے سب سے صحیح نکلے گا۔ (مناشی)

(سید وحی اشرف چشتی مالک کتب خانہ علم و ادب دہلی نے غنی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا)

دکتر عبد القدیر مرصع رقم بلعیری

و این مال

نقاری

مستور
آورد

جامعه
خواب
کذا
چند

یا

طابع و ناشر
عربی پریس دہلی

FORM 214

Author Hālī
Title Dīvan

MG 7

三

2264
2267
2268
2269
2270
2271
2272
2273
2274
2275
2276
2277
2278
2279
2280
2281
2282
2283
2284
2285
2286
2287
2288
2289
2290
2291
2292
2293
2294
2295
2296
2297
2298
2299
2300
2301
2302
2303
2304
2305
2306
2307
2308
2309
2310
2311
2312
2313
2314
2315
2316
2317
2318
2319
2320
2321
2322
2323
2324
2325
2326
2327
2328
2329
2330
2331
2332
2333
2334
2335
2336
2337
2338
2339
2340
2341
2342
2343
2344
2345
2346
2347
2348
2349
2350
2351
2352
2353
2354
2355
2356
2357
2358
2359
2360
2361
2362
2363
2364
2365
2366
2367
2368
2369
2370
2371
2372
2373
2374
2375
2376
2377
2378
2379
2380
2381
2382
2383
2384
2385
2386
2387
2388
2389
2390
2391
2392
2393
2394
2395
2396
2397
2398
2399
2400
2401
2402
2403
2404
2405
2406
2407
2408
2409
2410
2411
2412
2413
2414
2415
2416
2417
2418
2419
2420
2421
2422
2423
2424
2425
2426
2427
2428
2429
2430
2431
2432
2433
2434
2435
2436
2437
2438
2439
2440
2441
2442
2443
2444
2445
2446
2447
2448
2449
2450
2451
2452
2453
2454
2455
2456
2457
2458
2459
2460
2461
2462
2463
2464
2465
2466
2467
2468
2469
2470
2471
2472
2473
2474
2475
2476
2477
2478
2479
2480
2481
2482
2483
2484
2485
2486
2487
2488
2489
2490
2491
2492
2493
2494
2495
2496
2497
2498
2499
2500
2501
2502
2503
2504
2505
2506
2507
2508
2509
2510
2511
2512
2513
2514
2515
2516
2517
2518
2519
2520
2521
2522
2523
2524
2525
2526
2527
2528
2529
2530
2531
2532
2533
2534
2535
2536
2537
2538
2539
2540
2541
2542
2543
2544
2545
2546
2547
2548
2549
2550
2551
2552
2553
2554
2555
2556
2557
2558
2559
2560
2561
2562
2563
2564
2565
2566
2567
2568
2569
2570
2571
2572
2573
2574
2575
2576
2577
2578
2579
2580
2581
2582
2583
2584
2585
2586
2587
2588
2589
2590
2591
2592
2593
2594
2595
2596
2597
2598
2599
2600
2601
2602
2603
2604
2605
2606
2607
2608
2609
2610
2611
2612
2613
2614
2615
2616
2617
2618
2619
2620
2621
2622
2623
2624
2625
2626
2627
2628
2629
2630
2631
2632
2633
2634
2635
2636
2637
2638
2639
2640
2641
2642
2643
2644
2645
2646
2647
2648
2649
2650
2651
2652
2653
2654
2655
2656
2657
2658
2659
2660
2661
2662
2663
2664
2665
2666
2667
2668
2669
2670
2671
2672
2673
2674
2675
2676
2677
2678
2679
2680
2681
2682
2683
2684
2685
2686
2687
2688
2689
2690
2691
2692
2693
2694
2695
2696
2697
2698
2699
2700
2701
2702
2703
2704
2705
2706
2707
2708
2709
2710
2711
2712
2713
2714
2715
2716
2717
2718
2719
2720
2721
2722
2723
2724
2725
2726
2727
2728
2729
2730
2731
2732
2733
2734
2735
2736
2737
2738
2739
2740
2741
2742
2743
2744
2745
2746
2747
2748
2749
2750
2751
2752
2753
2754
2755
2756
2757
2758
2759
2760
2761
2762
2763
2764
2765
2766
2767
2768
2769
2770
2771
2772
2773
2774
2775
2776
2777
2778
2779
2780
2781
2782
2783
2784
2785
2786
2787
2788
2789
2790
2791
2792
2793
2794
2795
2796
2797
2798
2799
2800
2801
2802
2803
2804
2805
2806
2807
2808
2809
2810
2811
2812
2813
2814
2815
2816
2817
2818
2819
2820
2821
2822
2823
2824
2825
2826
2827
2828
2829
2830
2831
2832
2833
2834
2835
2836
2837
2838
2839
2840
2841
2842
2843
2844
2845
2846
2847
2848
2849
2850
2851
2852
2853
2854
2855
2856
2857
2858
2859
2860
2861
2862
2863
2864
2865
2866
2867
2868
2869
2870
2871
2872
2873
2874
2875
2876
2877
2878
2879
2880
2881
2882
2883
2884
2885
2886
2887
2888
2889
2890
2891
2892
2893
2894
2895
2896
2897
2898
2899
2900
2901
2902
2903
2904
2905
2906
2907
2908
2909
2910
2911
2912
2913
2914
2915
2916
2917
2918
2919
2920
2921
2922
2923
2924
2925
2926
2927
2928
2929
2930
2931
2932
2933
2934
2935
2936
2937
2938
2939
2940
2941
2942
2943
2944
2945
2946
2947
29

C